(نوٹس)

بارھویں جماعت (اُردو لازمی)

(تمام گروپ کے لیے)

گورنمنٹ ڈگری کالج و پوسٹ گریجویٹ سینٹر لطیف آباد۔ نمبر۔11 حیدر آباد

تحریر: پروفیسر مختار احمد

نوٹ: ان نوٹس میں کچھ اسباق کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سال 2025ء میں محکمہ تعلیم نے نصاب کو مختصر کر دیا ہے۔ اس وجہ سے گیارھویں اور بارھویں جماعت کے نوٹس کو شش کی گئی ہے کہ اسی انداز میں ترتیب دیا جائے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ سینٹر لطیف آباد۔ نمبر۔11 حیدر آباد

بارھویں جماعت (اُردو لازمی) (نوٹس)

(تمام گروپ کے لیے)

معروضی (MCQS) سوالات و جوابات

نمبر شمار	سوالات	جوابات
01	سبق سیرت محمدی ﷺ کی جامعیت" کے مصنف ہیں:	سید سلیمان ندوی
02	سنت کے لغوی معنی ہیں:	راستہ
03	اسلام تمام انسانوں کو دعوت اتباع دیتا ہے:	سنتِ نبوی کی
04	صلح حدیبیہ مرتب ہوئی:	۶ ھجری میں
05	ابوسفیان نے رسول کریم کے بارے میں جو کہا، اس کی وجہ تھی:	قبائل کا جوش وخروش
06	فتح مکہ کے دن مختلف قبیلوں کے صحابہ کرام کی شمولیت ظاہر کر رہی تھی:	حضورِ پاک کا جامع اخلاق
07	عالم گیر کو شدت سے احساس تھا کہ کسی شخص کا نہ ہونے پائے۔	بال بیکا
08	بڑھیا کے بچے تھے:	چار
09	عالم گیر نے سفر کیا:	۱۰۷۵ھ میں
10	"اورنگ زیب عدل ک دریائے اعظم تھا"۔ اس میں صنعت ہے۔	تشبیہ
11	الفاظ "شان وشوکت"، عیش وعشرت، جاہ وجلال" میں ترکیب ہے۔	عطفی
12	سبق "خوش طبعی" میں اس فل اس فلسفی کا ذکر کیا گیا ہے:	افلاطون
13	اس گھرانے میں ایک نہایت معقول شخص تھا:	حسن ادب
14	حسن بیان کی دلھن کا نام تھا:	خندہ جبیں
15	محاورہ "خاک اُڑانا" کا مطلب ہے:	بدنام کرنا
16	مصنف کے نزدیک خوش طبعی اور خوش بیانی علامت ہے؟	فرد کی اعلیٰ نسبی کی
17	قحط میں موت ہوتی ہے:	ارزاں
18	البم کی قیمت تھی:	چھے آنے

Prof.Mukhtar Ahmed

نمبر شمار	سوالات	جوابات
19	مصنف کے خیال میں ہر اچھی بات ہوتی ہے:	الہامی
20	لفظ "قحط الرجال" کا مطلب ہے:	قوم میں دانا لوگوں کی کمی
21	مصنف کے نزدیک البم آج بھی بیش قیمت ہے:	عمدہ تحریر کی وجہ سے
22	کئی افراد کا ایک جا ہو کر شعر پڑھنا کہلاتا ہے:	مشاعرہ
نمبر شمار	**سوالات**	**جوابات**
23	مشاعرے کا رواج ہمارے ہاں ہے:	پرانا
24	خواجہ میر درد کے مشاعرے میں شریک ہوئے تھے:	شاہ عالم ثانی آفتاب
25	مشاعرے آج وجہ بن گئے ہیں:	شہرت کی
26	مشاعرہ اردو ادب میں اس لیے اہم رہا ہے کہ:	اربابِ حل و عقد خوش ہوتے ہیں
27	مولوی صاحب نے اخباروں میں چھپوا دیا۔	اشتہار
28	عقل بڑی ہے کہ:	بھینس
29	مولانا سیماب اکبر آبادی تھے:	شاعر
30	دکان دار کے بستر بند دکھاتے ہوئے لفظ شعریت استعمال کرنے کی وجہ تھی:	مدتوں شعر کی اصلاح سے مشکل الفاظ کی عادت
31	ضرب المثل "یک من علم را دہ من عقل باید" کا مطلب ہے:	علم حاصل کرنے کے لیے عقل چاہیے
32	اپنے آپ کو ادیب ثابت کرنے کے لیے دل چسپی لینی پڑتی ہے:	ادب میں
33	کالونی کا ایک حصہ ادبی اور دوسرا کہلانے لگے گا:	سیاسی
34	شعر سنانے والوں کی ہو گی:	بہتات
34	"ٹانگ اڑانا" ہے	محاورہ
36	یہ کالونی برلن بن جائے گی" اس جملے میں اشارہ ہے:	لوگوں میں ذہنی اختلاف پیدا کرنے کا
37	تلاش بسیار کے باوجود ہاتھ نہ آسکا:	البم
38	میں کاغذات کے ان ڈھیروں سے ہو گیا:	نبرد آزما
39	تصویر میں والدہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے تھے:	بھائی جان
40	اس سبق میں "یہ تصویر اسی جشنِ آزادی کے موقع پر اتاری تھی" سے مراد ہے:	دادا جان کے کمرے سے باہر نکلنے کی خوشی کا دن
41	سبق میں "البم کے گہرے غار میں اترتا چلا گیا" کا مطلب ہے:	البم میں موجود اپنی پرانی تصویروں کے واقعات میں گم ہو گیا
42	"سحر ہونے تک" ناول ہے:	فضل احمد کریم فضلی کا
43	اس ناول کا پلاٹ ہے:	پاکستان کی آزادی سے متعلق
44	عالمی بساطِ سیاست پر یہ ایک اور مہرہ ضرور آئے گا" یہ جملہ استعارہ ہے"	قیامِ پاکستان کا

Prof.Mukhtar Ahmed

45	"من توشدم" سے مراد ہے؟	میں، تو ہو گیا
46	انسان کی صورت میں زندہ شیر کی طرح تھے "اس جملے میں ایک خوبی ہے"۔	صنعت تشبیہ
47	ساجدہ کے بیمار والد کا نام تھا:	منشی رمضان
48	ابا کے سخت درد اٹھا تھا:	پیٹ میں

نمبر شمار	سوالات	جوابات
49	ساجدہ ڈسپنسری پہنچی تو ڈاکٹر گیا ہوا تھا:	واک کے لیے
50	ڈاکٹر کے ساجدہ سے اپنے جرم کا اعتراف کی وجہ تھی:	اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر واک کرنے چلا گیا تھا
51	اب کی وفات کی اصل وجہ تھی:	وقت پر فوری طبیّ امداد کا نہ ملنا
52	"میں صدقے میں واری" یہ فقرہ کہا ہے:	بختاور نے
53	امّی رشتہ چاہتی تھیں:	امیر علی سے
54	زینت بانو کے نزدیک غرفت اور شرافت بہتر ہے:	دولت سے
55	"دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو" کا مطلب ہے:	تم صاحبِ اولاد ہو مال و دولت کی فراوانی ہو
56	زینت کے خیال میں شوہر ہونا چاہیے:	عمر میں بیوی کے برابر ہو
57	خجستہ کو داستان سنائی:	توتے نے
58	چاروں مفلس گئے:	حکیم کے پاس
59	حکیم نے چاروں کو دیا:	مہرہ
60	کس سے کہیے کہ کیا کیا ہن نے + جو کیا سو برا کیا ہم نے "اس شعر کی صنعت ہے"۔	تکرار
61	اس سبق میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:	دوستوں کی بات ماننا چاہیے
62	مسلم لیگ ایک جماعت تھی:	مسلمانوں کی
63	سردار پٹیل گھبراتے تھے:	مولانا حسرت موہانی سے
64	اُردوے معلی سے مضامین نکلتے تھے:	ادبی
65	مولوی عبدالحق نے حسرت موہانی کو علمی ذخیرہ محفوظ کرنے کا مشورہ دیا تاکہ:	اُردو زبان کا علمی ذخیرہ محفوظ ہو جائے
66	مولوی عبدالحق کو حسرت موہانی کی وفات پر اس بات کا زیادہ افسوس تھا کہ:	ان کا ادبی سرمایہ ضائع ہو جائے گا
67	مصنف کو علی گڑھ اسٹیشن پر انتقال کی خبر ملی:	ڈاکٹر اقبال کے
68	مصنف ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کے لیے گئے تھے:	لاہور
69	علامہ اقبال سے مصنف کی پہلی ملاقات ہوئی:	۱۹۶۵ء میں

Prof.Mukhtar Ahmed

70	علامہ اقبال محفل سے اٹھ کر چلے گئے کیوں کہ:	نوجوان شاعر تعلّی سے گفتگو کر رہے تھے
71	"علامہ اقبال کو صرف شاعر سمجھ لینا غلطی ہے" مضمون نگار نے یہ بات کہی ہے۔ کیوں کہ:	فکر و نظر کا کم حصہ کلام میں منتقل ہوا ہے
72	اسلامیہ کالج سے اُردو کالج میں داخلہ ہوا:	وجد چغتائی کا
73	"زہد و ورع" کا مطلب ہے۔	پرہیز گاری اور اللہ کا خوف
74	مصنف مضمون "ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب" سے متاثر ہوئے:	سادگی سے
نمبر شمار	**سوالات**	**جوابات**
75	"بھرم کُھلنا" ہے:	محاورہ
76	"ہمہ اوست اور "ہمہ از اوست" سے مراد ہے:	حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ابنِ عربیؒ کے تخلیق وجود کائنات کے فلسفے
77	"گیدڑ کی موت آتی ہے تو دوڑتا ہے:	شہر کی طرف
78	لالا جی نے مکا بازی شروع کر دی:	دروازے پر
79	لالا جی آدمی ہیں بہت:	شریف
80	لالا جی نے صاحبِ مضمون کو تین بجے جگا دیا کیوں کہ:	صاحب مضمون نے جلدی جگانے کی درخواست کی تھی
81	اس سبق سے ہمیں معلوم ہوا کہ:	صبح سویرے اٹھنے کے لیے کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں
82	کرکٹ بہت تیزی سے ہمارا کھیل بنتا جا رہا ہے:	قومی
83	کرکٹ انگریزوں کے لیے ہے:	مشن
84	ٹیسٹ میچ کے دوران آبادی بٹ گئی:	دو حصوں
85	کرکٹ میں جان پڑتی ہے:	تماشائیوں کی تالیوں سے
86	ہم قومی کھیل اس کھیل کو سمجھتے ہیں:	جس میں دماغ پر کم سے کم زور پڑے
87	لفظ "آئینہ" اس حمد میں اس معنی میں آیا ہے:	مخلوق
88	حمد میں "سفر" سے مراد ہے:	رب کی طرف سفر
89	نعت میں لفظ "اجل" کا مطلب ہے۔	قضا
90	نعت میں لفظ "نقاشِ ازل" سے مراد ہے:	خالق کائنات
91	منقبت کے مطابق یارانِ مصطفیٰ لائق ہیں:	توقیر کے
92	"ستم کش سفر" سے مراد ہے:	سفر میں تکلیفیں برداشت کرنے والا
93	نظم "چاند اور تارے" کی ہیت ہے:	مثنوی
94	"اشہبِ زمانہ" میں صنعت پائی جاتی ہے:	تشبیہ
95	حضرت فاطمہ زہراؓ کا اصل سامانِ جہیز یہ تھا	فقر و فاقہ

Prof.Mukhtar Ahmed

96	"ابھرا تو تجلی دوڑ گئی" سے جوش کی مراد ہے:	چاندنی پھیل گئی
97	یہاں "زمیں زادوں" سے مراد ہے؟	زمینی مخلوق
98	"پرسا دینا" سے مراد ہے:	تعزیت کرنا
99	شاعرہ کے نزدیک پہلا ستارہ ملے گا:	جب سینکڑوں نوری تسخیر ہو جائیں گے
100	مختار کریمی کے خیال میں ہوا بے تاب ہے:	مرہم کی تلاش میں

نمبر شمار	سوالات	جوابات
101	"دوبہرے شناساؤں کی ملاقات" ان کی نظم ہے:	سید ضمیر جعفری
102	کتاب میں شامل گیت کے شاعر ہیں:	نگار صہبائی
103	حمایت علی شاعر کی "ثُلاثی" کا عنوان ہے:	اسلوب
104	وضاحت نسیم کی ہائیکو کا عنوان ہے:	کام
105	دردؔ کی غزل میں "ہجومِ یاس" کا مطلب ہے:	ناامیدی کی کثرت
106	"جلوہ فرما" سے مراد ہے:	جلوہ دکھانے والا
107	میرؔ کے مطابق مونسِ ہجراں "تھا:	صبر
108	"دیدہ و دل فرشِ راہ کرنا" ہے:	محاورہ
109	لفظ "گویا" کے معنی ہیں:	بولنے وال
110	جگر مراد آبادی پیدا ہوئے:	۱۸۹۰ء میں
111	"شہر طرب" سے مراد ہے:	خوشیوں بھرا شہر
112	"نظر سے گزرے" کا مطلب ہے:	آنکھوں کے سامنے سے گزرے
113	شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو نبی کریم ﷺ کا خط پہنچایا۔	عبداللہ بن حزیفہ سہمیؓ
114	نصاب میں شامل شبلی نعمانی کے مضمون کا عنوان۔۔۔۔۔۔ ہے۔	عالم گیر کا انصاف
115	انھیں اردو کا سب سے بڑا انشاپرداز اور تمثیل نگار کہا جاتا ہے۔	مولانا محمد حسین آزاد
116	مرزا قلیچ بیگ کو کون سا خطاب ملا۔	شمس العلماء
117	نصاب میں شامل سبق "چمنے کہ تا قیامت"۔۔ کس کا تحریر کردہ ہے:	ڈاکٹر اسلم فرخی
118	مشہور و معروف مزاحیہ تصانیف "خاکم بدہن اور "آب گم کس کی تحریر کردہ ہیں:	مشتاق احمد یوسفی
119	"غزل" کس زبان کا لفظ ہے۔	عربی
120	پطرس بخاری کا اصل نام تھا:	احمد شاہ
121	بابائے اردو کہا جاتا ہے:	مولوی عبدالحق

Prof. Mukhtar Ahmed

122	نصاب میں شامل مضمون "سحر ہونے تک" کے مصنف ہیں۔	فضل احمد کریم فضلی
123	"چند ہم عصر" کا مجموعہ ہے:	خاکوں کا
124	نصاب میں شامل "حمد" کے شاعر ہیں:	مظفر وارثی
125	نصاب میں شامل "نعت" کس کی تحریر کردہ ہے۔	پروفیسر اقبال عظیم
126	پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں:	حفیظ جالندھری

نمبر شمار	سوالات	جوابات
127	"اُردو" لفظ کے معنی ہیں۔	لشکر
128	"اُردو" کس زبان کا لفظ ہے	ترکی
129	اُردو شاعری کا خدا۔۔یا۔۔خدائے سخن کس شاعر کو کہا جاتا ہے۔	میر تقی میر
130	ان کے دیوان کو "الہامی کتاب" قرار دیا جاتا ہے۔	مرزا غالب
131	اُردو کے پہلے صوفی شاعر کہتے ہیں:	خواجہ میر درد
132	نظم "حضرت فاطمتہ الزہرا کی رخصتی" کس مشہور طویل نظم کا جزو ہے:	شاہنامہ اسلام
133	"عود ہندی" اور "اردوئے معلیٰ" ان کے خطوط کے مجموعے ہیں۔	مرزا غالب
134	جس شعر میں کسی مشہور واقعے یا قصے کی طرف اشارہ کیا جائے اُسے کہتے ہیں۔	تلمیح
135	غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ وہ کہلاتا ہے:	مقطع
136	غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ وہ کہلاتا ہے:	مطلع
137	غزل کا دوسرا شعر جس کے دونوں مصرعے "ہم قافیہ" اور "ہم ردیف" ہوتے ہیں۔ وہ کہلاتا ہے:	حسنِ مطلع
138	جس نظم میں "اللہ تعالیٰ" کی تعریف کی جائے اُسے کہتے ہیں:	حمد
139	جس نظم میں "اللہ تعالیٰ" سے دعا کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	مناجات
140	جس نظم میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	نعت
141	ایسی نظم جس میں صحابہ کرام، اولیا اللہ اور بزرگانِ دین کی تعریف بیان کی جائے۔	منقبت
142	جس نظم میں مرنے والے کا ذکر کیا جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	مرثیہ
143	جس نظم میں قصداً یا ارادتاً کسی کی تعریف کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	قصیدہ
144	جس نظم کا ہر بند "تین تین مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اُس کو کہتے ہیں:	مُثلث
145	جس نظم کا ہر بند "پانچ پانچ مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اس کو کہتے ہیں:	مخمس
146	جس نظم کا ہر بند "چھ چھ مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اُس کو کہتے ہیں:	مسدس

Prof.Mukhtar Ahmed

147	اس صنعت کا نام بتایے جس میں ایسے الفاظ استعمال ہوں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔	تضاد
148	اس صنعت کا نام بتایے جس میں کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔	تشبیہ
149	استعارہ کے لفظی معنی کیا ہیں۔	ادھار لینے کے ہیں
150	"ہم صوت "ہم آواز" الفاظ کہلاتے ہیں۔	ردیف

درجِ ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و تراکیب	جملے
پیروی	دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے آپ ﷺ پیروی لازمی ہے
تدبیر	تدبیر تقدیر بدل دیتی ہے۔
وقت	وقت کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے
استعداد	انسان کو اپنی استعداد کے مطابق کام کرنا چاہیے۔
شارع	ہر مذہب میں اس کے بانی اور شارع کی تقلید کو کامیابی کا زینہ قرار دیا۔
جامعیت	سیرت نبوی ﷺ کی جامعیت بے مثال ہے۔
اتباع	اتباع رسول ﷺ ہی ہماری زندگی میں تبدیلی لا سکتی ہے۔
خزینہ دار	نبی ﷺ خزینہ دار ہونے باوجود سادہ زندگی بسر کی،
بیرق	فوج کے ہر دستے کے آگے بیرق بردار سپاہی ہوتا ہے۔
تحت اللفظ	مشاعرے میں تحت اللفظ پڑھنے والے شعراء کا انداز بھی خوب صورت ہوتا ہے۔
ضرب المثل	بسا اوقات لوگ ضرب المثل اور محاورہ میں فرق نہیں کرپاتے۔
تحسین و تفہیم	مشاعرے عوام میں شعری تحسین و تفہیم اجاگر کرنے کا سبب بنتے ہیں
تخلیق	انسان اللہ تعالی کی بہترین تخلیق ہے
دامن گیر	بہادر شاہ ظفر کو اپنی حکومت جانے کا خیال دامن گیر رہا۔
محال	آج کے دور میں مہنگائی نے عوام کا جینا محال کر دیا ہے۔
بہتات	مچھروں کی بہتات کی وجہ سے ڈینگی پھر سر اٹھانے لگا ہے۔
قلّت	قلّت آب کے مسائل نے ہماری زراعت کو نقصان پہنچایا ہے۔
قواعد و ضوابط	اچھے شہری کو ملکی قواعد و ضوابط کی پابندی کرنا چاہیے۔
وضع	ایک سچّا مسلمان اپنی وضع کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

رنگ ونور	۱۲ ربیع الاول کے دن پورا ملک رنگ و نور میں نہایا ہوتا ہے۔
کوچہ و بازار	۱۴ اگست کے دن جشنِ آزادی کے موقع پر کوچہ و بازار دلہن کی طرح سج جاتے ہیں۔
دھلی دھلائی	بارش کے بعد اسلام آباد کی سڑکیں دھلی دھلائی نظر آتی ہیں۔
عظیم الشان	مغل بادشاہ شاہ جہاں نے تاج محل جیسی عظیم الشان عمارت بنوائی۔
جلال و جمال	خانہ کعبہ پر جب میری پہلی نظر پڑی تو مجھے جلال و جمال نظر آیا۔
تجزیہ	اچھے صحافی کو بہترین تجزیہ پیش کرنا چاہیے۔
تجربہ	تجربہ کار انسان دوسروں کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔
ارزاں	اس دور میں انسان کا خون بہت ارزاں ہے۔
مرگ انبوہ	کرونا کی بیماری نے مرگ انبوہ کی کیفیت اختیار کرلی۔
حشرات الارض	چنگیز خان کی نظر میں رعایا حشرات الارض کی طرح تھی۔
منوّر	ہمارے نبیؐ ۱۲ ربیع الاول کو پیدا ہوئے تو پوری کائنات منوّر ہو گئی۔
الہام	ماہرین اردو غالب کے دیوان کو الہام کی صورت مانتے ہیں۔
نگہ انتخاب	میں لائبریری گیا تو میری نگہ انتخاب 'دیوانِ حالی" پر پڑی۔
تزکیہ	انسان جب مسلمان ہو تو تزکیہ نفس اسے اعلیٰ مرتبے پر لے جاتا ہے۔
ذوقِ سلیم	عمدہ ذوقِ سلیم شخصیت کو باوقار بناتا ہے۔
سونے پر سہاگہ	ہماری قومی کرکٹ ٹیم کا عید کے دن میچ جیت جانا سونے پر سہاگا ہوگا۔
شائستگی و تہذیب	مشاعرے ہر دور میں شائستگی و تہذیب عام کرنے کا ذریعہ رہے ہیں۔
ارباب حل و عقد	کسی بھی محفل کو کامیاب بنانے میں اربابِ حل و عقد کا کردار اہم ہوتا ہے۔
حشو وزائد	شعر میں حشو وزائد سے خرابی پیدا ہوتی ہے۔
گراں قدر	ڈاکٹر ادیب الحسن رضوی کی گراں قدر خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔
منکشف	بعض اوقات کچھ نہ کہنے والی باتیں چہرے کے تاثرات سے منکشف ہونے لگتی ہیں۔
عالم بقا	یہ دنیا فانی ہے اور ہمیں عالم بقا کی طرف لوٹ جانا ہے۔
فیضان نظر	یہ حضرت محمدؐ کا فیضان نظر ہی تھا کہ مشرکین مکہ نے جوق در جوق اسلام قبول کیا۔
مسحور	باغ میں پھولوں کی مسحور کن مہک تھی۔
سیر ہونا	آج لذیذ کھانا کھا کر طبیعت سیر ہو گئی۔
قلّت طعام	حکیم محمد سعید قلت طعام کا مشورہ دیتے تھے۔
خندہ جبینی	اساتذہ کرام کو طالب علموں کے ساتھ ہمیشہ خندہ جبینی سے پیش آنا چاہیے۔
ممنون	انسان کو احسان کرنے والے کا ممنون ہونا چاہیے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

دل شکنی	دل شکنی بہت بڑا گناہ ہے۔
طمانیت	امتحان میں کامیاب طلبہ کے چہروں پر طمانیت نمایاں ہوتی ہے۔
اوالوالعزمی	کھیل کے میدان میں جانے سے پہلے کامیابی کے لیے اوالوالعزمی بنیادی چیز ہے۔
خندہ پیشانی	ہمارے پیارے نبیؐ چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔
اوسان خطا ہونا	بڑھتی ہوئی مہنگائی سے لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے ہیں۔
جادو بیانی	تقریر کے لیے جادو بیانی ضروری ہے۔

درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی لکھیے اور جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ / تراکیب	معنی	جملے
یادداشت	یاد رکھنے کی قوت	بقول حکیم لقمان کے یادداشت کو طاقتور بنانے کے لیے اخروٹ اور بکرے کا مغز کھایا جائے۔
ضابطہ	قانون + آئین	ہمارا مذہب اسلام مکمل ضابطہ اخلاق فراہم کرتا ہے۔
بدوضع	بے ڈھنگا	بدوضع لوگوں کو معاشرے میں پسند نہیں کیا جاتا ہے۔
مسائل	مشکلات / پریشانی	ہمارے ملک کے مسائل کے ذمہ دار سیاست دان ہیں۔
زیب تن	پہننا	اچھا لباس زیب تن کرنے سے شخصیت باوقار لگتی ہے۔
اقامت گاہ	قیام کرنا	زیارت میں قائداعظم کی اقامت گاہ تھا۔
ضیاپاش	روشنی ڈالنے والا	اگر صحافی ضیاپاش بن جائیں تو جمہوریت پروان چڑھے۔
کارچوب	لکڑی کا وہ بڑا چوکور فریم جس پر زری کا کام ہوتا ہے۔	ریشم بازار حیدرآباد میں کارچوب پر کڑھائی کا عمدہ کام دستیاب ہے۔
بھاگوان	خوش قسمت	اللہ تعالیٰ تمام بچیوں کو بھاگوان کرے۔
نکتہ چینی	تنقید کرنا	اعجاز کو ہر بات میں نکتہ چینی کی عادت ہے۔
مکھی چوس	انتہائی کنجوس	جو شخص اپنے اوپر خرچ نہ کرے وہ کنجوس بلکہ مکھی چوس ہوتا ہے۔
دست بستہ	باادب اور احترام کے ساتھ	مسجد نبوی میں صحابہ کرام دست بستہ موجود رہتے تھے۔
آشنا	شناسا + دوست	حذیفہ اور ناصر ایسے مل رہے ہیں جیسے برسوں کے آشنا ہوں۔
الاؤ	سردی سے بچاؤ کے لیے گھاس پھوس کو جلانا	سردیوں میں سوات کی سیر کے دوران الاؤ جلائے بغیر کام نہیں چل سکتا۔
سینکنا	گرم کرنا	شدید سردی میں آگ پر ہاتھ سینکنا آرام وسکون کا باعث ہے۔
زمین زاد	باشندے۔ زمین کے باسی	پاکستان کے زمین زادے آپس میں محبت سے رہتے ہیں۔
بے مصرف	بے مقصد + بے کار	بے مصرف زندگی گم سم سی لگتی ہے۔
نوری برس	نوری سال	زمین سے سورج اور چاند کا فاصلہ لاکھوں نوری برس میں جا کر طے ہو گا۔

Prof. Mukhtar Ahmed

مذکر	مؤنث	الفاظ	متضاد
آداب	ہم دردی	شناسا	ناشناسا / نا آشنا / اجنبی / ناواقف
قصد	جوانی	ذوق	بدذوق
تھال	کھانسی	چچا	بھتیجا
اخلاق	انسانیت	گزشتہ	آئندہ
محال	قلّت	قصد	بے قصد / بے ارادہ

بارھویں جماعت (اُردو لازمی)

(حصہ ٔنظم)۔۔۔۔(نوٹس)

معروضی (MCQS) سوالات وجوابات

نمبر شمار	سوالات	جوابات
1	لفظ "آئینہ" اس حمد میں اس معنی میں آیا ہے:	مخلوق
2	حمد میں "سفر" سے مراد ہے:	رب کی طرف سفر
3	نعت میں لفظ "اجل" کا مطلب ہے۔	قضا
4	نعت میں لفظ "نقاشِ ازل" سے مراد ہے:	خالق کائنات
5	منقبت کے مطابق یارانِ مصطفیٰ لائق ہیں:	توقیر کے
6	"ستم کش سفر" سے مراد ہے:	سفر میں تکلیفیں برداشت کرنے والا
7	نظم "چاند اور تارے" کی ہیت ہے:	مثنوی
8	"اشہبِ زمانہ" میں صنعت پائی جاتی ہے:	تشبیہ
9	حضرت فاطمہ زہراؓ کا اصل سامانِ جہیز یہ تھا	فقروفاقہ
10	"ابھرا تو تجلی دوڑ گئی" سے جوش کی مراد ہے:	چاندنی پھیل گئی
11	یہاں "زمیں زادوں" سے مراد ہے؟	زمینی مخلوق
12	"پرسا دینا" سے مراد ہے:	تعزیت کرنا
13	شاعرہ کے نزدیک پہلا ستارہ ملے گا:	جب سینکڑوں نوری تسخیر ہو جائیں گے
14	مختار کریمی کے خیال میں ہوا بے تاب ہے:	مرہم کی تلاش میں
15	"دو بہرے شناساؤں کی ملاقات" ان کی نظم ہے:	سید ضمیر جعفری
16	کتاب میں شامل گیت کے شاعر ہیں:	نگار صہبائی

Prof.Mukhtar Ahmed

17	حمایت علی شاعر کی "ثُلاثی" کا عنوان ہے:	اسلوب
18	وضاحت نسیم کی ہائیکو کا عنوان ہے:	کام
19	دردؔ کی غزل میں "ہجومِ یاس" کا مطلب ہے:	نا امیدی کی کثرت
20	"جلوہ فرما" سے مراد ہے:	جلوہ دکھانے والا
21	میرؔ کے مطابق مونسِ ہجراں" تھا:	صبر
22	"دیدہ و دل فرشِ راہ کرنا" ہے:	محاورہ
23	لفظ "گویا" کے معنی ہیں:	بولنے والی
24	جگر مراد آبادی پیدا ہوئے:	۱۸۹۰ء میں
25	"شہر طرب" سے مراد ہے:	خوشیوں بھرا شہر
26	"نظر سے گزرے" کا مطلب ہے:	آنکھوں کے سامنے سے گزرے
27	نصاب میں شامل "حمد" کے شاعر ہیں:	مظفر وارثی
28	نصاب میں شامل "نعت" کس کی تحریر کردہ ہے۔	پروفیسر اقبال عظیم
29	پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں:	حفیظ جالندھری
30	"غزل" کس زبان کا لفظ ہے۔	عربی
31	جس شعر کا ایک مصرعہ اردو اور دوسرا کسی اور زبان کا ہو اس شعر کو کہتے ہیں۔	تلمیع
32	نصاب میں شامل "نعت" کس کی تحریر کردہ ہے۔	پروفیسر اقبال عظیم
33	پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں:	حفیظ جالندھری
34	"اُردو" لفظ کے معنی ہیں۔	لشکر
35	"اُردو" کس زبان کا لفظ ہے	ترکی
36	اُردو شاعری کا خدا۔۔یا۔۔خدائے سخن کس شاعر کو کہا جاتا ہے۔	میر تقی میر
37	ان کے دیوان کو "الہامی کتاب" قرار دیا جاتا ہے۔	مرزا غالب
38	اُردو کے پہلے صوفی شاعر کہتے ہیں:	خواجہ میر درد
39	نظم "حضرت فاطمۃ الزہرا کی رخصتی" کس مشہور طویل نظم کا جزو ہے:	شاہنامہ اسلام
40	"عودِ ہندی" اور "اردوئے معلیٰ" ان کے خطوط کے مجموعے ہیں۔	مرزا غالب
41	جس شعر میں کسی مشہور واقعے یا قصے کی طرف اشارہ کیا جائے اُسے کہتے ہیں۔	تلمیح
42	غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ وہ کہلاتا ہے:	مقطع

Prof.Mukhtar Ahmed

43	غزل کا پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ وہ کہلاتا ہے:	مطلع
44	غزل کا دوسرا شعر جس کے دونوں مصرعے "ہم قافیہ" اور "ہم ردیف" ہوتے ہیں۔ وہ کہلاتا ہے:	حسنِ مطلع
45	جس نظم میں "اللہ تعالیٰ" کی تعریف کی جائے اُسے کہتے ہیں:	حمد
46	جس نظم میں "اللہ تعالیٰ" سے دعا کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	مناجات
47	جس نظم میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	نعت
48	ایسی نظم جس میں صحابہ کرام، اولیا اللہ اور بزرگان دین کی تعریف بیان کی جائے۔	منقبت
49	جس نظم میں مرنے والے کا ذکر کیا جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	مرثیہ
50	جس نظم میں قصداً یا ارادتاً کسی کی تعریف کی جائے۔ اُسے کہتے ہیں:	قصیدہ
51	جس نظم کا ہر بند "تین تین مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اُس کو کہتے ہیں:	مُثلث
52	جس نظم کا ہر بند "پانچ پانچ مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اس کو کہتے ہیں:	مخمس
53	جس نظم کا ہر بند "چھ چھ مصرعوں" پر مشتمل ہو۔ اُس کو کہتے ہیں:	مسدس
54	اس صنعت کا نام بتایے جس میں ایسے الفاظ استعمال ہوں جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔	تضاد
55	اس صنعت کا نام بتایے جس میں کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔	تشبیہ
56	استعارہ کے لفظی معنی کیا ہیں۔	ادھار لینے کے ہیں
57	"ہم صوت" "ہم آواز" الفاظ کہلاتے ہیں۔	ردیف
58	شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ کہلاتے ہیں	قافیہ
59	جس شعر میں شاعر اپنی یا اپنے کلام کی تعریف کرے، اسے کہتے ہیں۔	تعلی
60	"زمین غزل ملک سی ہو گئی" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟	میر تقی میر کو غزل کا میدان اپنی ملکیت نظر آتا ہے

درج ذیل الفاظ وتراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ وتراکیب	معنی	جملے
آشنا	دوست / ساتھی / آشنا	کچھ لوگ آشنا ہونے کے باوجود نا آشنا لگتے ہیں
الاؤ	گھاس پھوس کا جلتا ہوا انبار	الاؤ کی وجہ سے سردی کم لگ رہی تھی۔
سینکنا	گرم کرنا	سردیوں میں آگ پر ہاتھ سینکنا اچھا لگتا ہے
زمین زاد	انسان۔ زمین کے باشندے	کچھ زمین زادے اس زمین کا حق ادا کرنے کے لائق نہیں ہیں۔
بے مصرف	بیکار۔ بے فائدہ	دانا کہتے ہیں کہ بے مصرف زندگی سے موت بہتر ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

بے مثال	جس کی مثال نہ ہو	نبی ﷺ خزینہ دار ہونے باوجود بے مثال زندگی بسر کی،
نوری برس	نوری سال	زمین سے سورج کا فاصلہ لاکھوں نوری برس کے برابر ہے۔
نادیدہ	ان دیکھا۔ اوجھل	کچھ نادیدہ قوتیں پاکستان کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔

درجِ ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے

الفاظ / تراکیب	معنی	الفاظ / تراکیب	معنی
نظامِ ہستی	ہستی کا نظام / کائنات کا نظام	مزرعِ شب	رات کی کھیتی۔ مراد ستارے
اختیارِ بشر	انسانی اختیار / انسانی مرضی	غرفوں	کھڑکیوں
خانۂ لاشعور	عقل میں آنا	صباحت	خوب صورت
جامع القرآن	قرآن کی جمع و تدوین کرنے والے (حضرت عثمان غنیؓ)	گردوں	آسمان۔ فلک
ذوالنورین	دو نور والے (حضرت عثمان غنیؓ) کا لقب	جنبش	حرکت / اضطراب
رُخِ انورؐ	نور والا چہرہ (آپؐ کا چہرہ مبارک / صفاتی نام)	دمِ سحر	صبح کا وقت
مفصل	تفصیل کے ساتھ / مکمل	جویائے مرہم	چارہ یا علاج تلاش کرنے والا
مجمل	مختصر / اختصار	زخمِ تمنا	مراد۔ آرزو پوری نہ ہونے کا رنج۔ دکھ
مدام	ہمیشہ / دائم	تصرّف	قبضہ۔ دخل
خوشہ چینی	فصل کٹنے کے بعد گرے ہوئے دانے (مراد ستارے)	تساہل	سستی۔ غفلت برتنا
بے محل	بے وقت یا نامناسب جگہ	دلِ زار	بے چین دل
حجر	پتھر	سوز	جلن۔ درد
اشہب	سیاہ و سفید / گھوڑا	معمورے	دنیا۔ جہان
تازیانہ	کوڑا۔ چابک	سعی	کوشش
خرام	چال۔ آہستہ آہستہ چلنا	ناصح	نصیحت کرنے والا
مونسِ ہجراں	تنہائی کا دوست	مضطر	بے چین
تامل	سوچ بچار	راحت افزا	سکون دینے والا
نوری برس	نوری سال زمین سے سورج اور چاند کا فاصلہ لاکھوں نوری برس میں جا کر طے ہو گا۔		

Prof.Mukhtar Ahmed

اشعار کی تشریحات

حمد

مظفر وارثی

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے، نظر بھی جو آ رہا ہے، وہی خدا ہے

حوالہ: درج بالا شعر ہمارے نصاب میں شامل مظفر وارثی کی حمد سے لیا گیا ہے۔ جو ان کے مجموعہ کلام "الحمد سے ماخوذ ہے۔ مظفر وارثی دورِ جدید کے ممتاز شعراء کی شمار کیے جاتے ہیں۔ مظفر وارثی کی اصل شہرت اور مقبولیت ان کی حمد گوئی، نعت گوئی اور نعت خوانی کی وجہ سے ہے۔ شاعری میں آپ کو حمد و نعت گوئی میں ملکہ حاصل رہا اور یہی آپ کی وجہ شہرت بنی۔

تشریح: ایک عام قاعدہ یا کلیہ ہے کہ معمولی سے معمولی کام بھی اس وقت تک وقوع پزیر نہیں ہوتا جب تک کوئی قوت اس امر پر مجبور نہ کرے۔ شاعر اسی سائنسی دلیل کو بنیاد بناتے جاتے ہوئے بیان کر رہے ہیں کہ معمولی کام بھی بغیر کسی طاقت کے نہیں ہو سکتا تو یہ وسیع و عریض کائنات اور مکمل نظامِ ہستی بغیر کسی طاقت اور قوت کے کس طرح قائم دائم رہتا ہے۔ یقیناً وہ خدا کی ذات ہے جو اس دنیا کے تمام تر نظام کو اپنی قدرت سے چلا رہی ہے۔ وہ ایسی ذات مبارک ہے جو ہماری آنکھوں سے تو نہاں ہے مگر ان کی تخلیق کردہ ہر شے میں اس کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اور یوں وہ ہماری شہ رگ سے زیادہ قریب تر ہے۔

وہی ہے مشرق، وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اُسی کی جانب
ہر آئنے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: مشرق اور مغرب ایک دوسرے کے متضاد الفاظ ہیں جو طلوع اور غروب ہونے کے معنی میں مستعمل بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات مبارک ہے۔ جو آغاز ہے، اور انجام بھی۔ وہی مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اور ہم سب کو بالآخر ایک دن اس کی جانب لوٹ کر چلے جاتا ہے۔ کائنات کی ہر شے میں تمام تخلیقات میں اسی کا عکس اس کا جلوہ ہمیں دکھائی دیتا ہے تا کہ ہم اسے پہچان سکیں اور اس کی بندگی کر سکیں۔

تلاش اُس کو نہ کر بتوں میں، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں

جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: اللہ تعالی کی ذاتِ مبارک پتھر کے بنے ہوئے بتوں کی طرح کسی جمود کا شکار نہیں۔ اگر اللہ تعالی کو دیکھنا ہے تو اسے ان پتھروں میں نہیں بلکہ بدلتے ہوئے موسموں میں دیکھا جائے۔ اللہ تعالی کی عظمت و بلندی اور صناعی ایسی ہے کہ وہ اندھیری رات کو روشن دن میں اور پھر روشن دن کو اندھیری رات میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جس طرح اس کائنات میں جمود نہیں، اس طرح خدا کی ذات کو بھی کسی پتھر یا مٹی کے بنے ہوئے مجسمے تک محدود کرنا دانش مندی نہیں ہے۔

کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وہی ہوا جو خدا نے چاہا

جو اختیار بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: انسان کی عقل اور شعور اس قابل نہیں کہ وہ خدا کی حقیقت اور قدرت و حکمت کو پہچان سکے۔ در حقیقت یہ خدا ہی کی دین ہے کہ وہ جسے چاہے نواز دے اور جسے

چاہے آزمائش میں مبتلا کر دے۔ یعنی دنیا میں خدا کی منشا کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اسی رب کی تخلیق کردہ بہترین تخلیق انسان ہے اور جسے اختیار دے کر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنی خوشی اور منشا کے مطابق فیصلے کر سکے۔ لیکن انسان جہاں اپنے فیصلوں میں خود مختار ہے وہیں اللہ تبارک و تعالی کے پاس اختیار ہے کہ وہ جس کے دل پر چاہے مہر لگا دے۔ جسے چاہے ہدایت کا نور بخش دے اور جسے چاہے ذلت و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا رہنے دے۔

نظر بھی رکھے سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی

جو خانہ لاشعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: اللہ تعالی انسان کی جانب سے کیے گئے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور ہمارے دل کے خیالات بھی اس رب کی پکڑ سے دور نہیں۔ یعنی اللہ ہمارے قول و فعل کا شاہد ہے اس کی پکڑ سے ہمارا کوئی عمل باہر نہیں۔ اس کی ذات ہے جو ہمارے دل اور دماغ میں شعور اور لاشعور میں یہاں تک کہ ہمارے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ ان میں چلنے والے معاملات اور ان میں اٹھنے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی ہماری عقل و شعور سے بلند ہے اور اسے سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔

کسی کو تاج وقار بخشے، کسی کو ذلت کے غار بخشے

جو سب کے ماتھے پہ مہر قدرت لگا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور چاہے ذلت۔ گویا یہ دونوں اک دوسرے کے متضاد شے ہیں مگر اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے جس بندے کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت کے اندھیروں میں دھکیل دے۔ اس کی ذات تمام اختیارات اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ کسے کیا ملا ہے اور کیا نہیں، سب کچھ اس کی قسمت اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ اور اللہ نے اس پر اپنی مہر ثبت کر دی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کی لکھی ہوئی تقدیر سے ہٹ کر کوئی کام سرزد ہو جائے۔

سفید اس کا، سیاہ اس کا نفس نفس ہے گواہ اس کا

Prof.Mukhtar Ahmed

جو شعلہ جاں جلا رہا ہے، بجھا رہا ہے، وہی خدا ہے

تشریح: نیکو کار ہوں یا بد کار گناہ گار۔ ہر انسان اس بات کا شاہد ہے اور وہ ہے کہ صرف خدا کی ذات ہے جس کے طفیل یہ تمام رنگینی کائنات ہے۔ اس پوری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایسے آراستہ کیا ہے کہ ہر طرف اس کی شان و شوکت اور عظمت کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ ہر نفس کو پیدا کرنے والی اس کی ذات ہے اور بالآخر اس کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اس بات کا ادراک دنیا میں بسنے والے ہر شخص کو ہے کہ صرف وہی ایک ذات با اختیار اور مالک ہے، جس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

حمد کا مرکزی خیال

حوالہ: ہمارے نصاب میں شامل "حمد" کے شاعر مظفر وارثی ہیں۔ یہ حمد ان کے مجموعے الحمد سے ماخوذ ہے۔ مظفر وارثی دور جدید کے ممتاز شعراء میں شمار کے جاتے ہیں۔ مظفر وارثی دور جدید کے شعر میں ممتا مقام و مرتبہ رکھتے ہیں آپ نے شاعری میں غزل اعظم جمہ نعت، منقبت وغیرہ میں طبع آزمائی کی لیکن ان کی اصل شہرت اور مقبولیت ان کی حمد گوئی، نعت گوئی اور نعت خوانی کی وجہ سے ہے۔

مرکزی خیال: اس وسیع و عریض کائنات کا بغیر کسی خالق کے پیدا ہو جانا مضحکہ خیز بات ہے۔ سائنسی علوم میں مہارت رکھنے والے اس قاعدے کو بخوبی جانتے ہیں بغیر کسی طاقت کے کوئی بھی کام عمل میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ تو کائنات کا خود بخود بن جانا سورج اور چاند اپنے مدار میں گردش کرنا دن و رات کا قوع پذیر ہونا کسی بھی طور ممکن نہیں۔ یہ سب اس خالق کا تخلیق کردہ ہے جس نے ہمیں پیدا کیا جو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کائنات میں موجود ہر شے اسی خلاق کی جانب ہمیں راستہ دکھاتی ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے اپنے حقیقی خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت اور بندگی کو بجالائے۔

نعت

محسن کاکوروی

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل

میرے ایمانِ مفصل کا یہی ہے مجمل

حوالہ: یہ شعر ہمارے نصاب میں شامل "نعت سے لیا گیا ہے جس کے شاعر محسن کاکوروی ہیں۔ نصاب میں شامل نعتیہ اشعار محسن کاکوروی کے مشہور زمانہ قصیدے قصیدہ مدیح خیر المرسلین (قصیدہ لامیہ) سے لیے گئے ہیں۔ یہ نعت کلیات حسن کاکوروی سے ماخوذ ہے۔

تشریح: اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی جس قدر بھی تخلیقات ہیں ان تمام تخلیقات میں سب سے اعلیٰ مکرم اور افضل تخلیق بلاشبہ و بلا شرکت غیرے صرف اور صرف نبی کریم حضر محمد مصطفیٰ صلی الہ علیہ وآلہ سلم کی ذات مبارکہ ہے۔ اللہ تعلی کی تمام تر تخلیقات میں سب سے افضل انسان ہے، اس لیے اسے اشرف

Prof.Mukhtar Ahmed

المخلوقات کہا جاتا ہے۔ اور تمام انسانوں میں سب سے اعلیٰ وارفع نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ شاعر فرمارہے ہیں کہ میرے مکمل ایمان کا خلاصہ یہی ہے کہ حضور کریم ﷺ کی ذات سب سے افضل ہے۔

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی
نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل

تشریح: شعر میں خوبصورتی کے ساتھ مراعات نظیر یا رعایت لفظی کا استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر نے اپنی شاعری کی رعایت سے شعر قصیدہ، قطعہ اور غزل کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ شاعر فرمارہے ہیں کہ میری یہ تمنا یا خواہش ہے کہ میری شاعری نبی کریم کی مدحت وثنا سے خالی نہ رہے۔ میں جس صنف سخن میں طبع آزمائی کروں یعنی غزل کہوں، قطعہ کہوں، قصیدہ کہوں، یہاں تک کہ میرا کوئی ایک شعر بھی بی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف سے خالی نہ رہے۔

رُخ انور کا ترے دھیان رہے بعد قضا
میرے ہم راہ چلے راہ عدم میں مشعل

تشریح: میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تمنا یہ ہے کہ صرف یہ زندگی ہی نہیں بلکہ موت کے بعد بھی میرے خیالوں میں صرف نبی کریم ﷺ ہی کا چہرہ مبارک ہو اور یہی وہ رخ روشن ہے جو موت کی تاریک راہوں میں بھی میرے ساتھ مشعل کی طرح ہو گا جو موت کے بعد اندھیری راہوں کو روشن و منور کر دے گا۔

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح
ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

تشریح: میری تمنا اور خواہش ہے کہ محشر کے میدان میں نبی کریم ﷺ کا یہ شیدائی اور ان کی مدح کرنے والا آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہو اور میرے ہاتھ میں میرا ایہی نعتیہ قصیدہ ہو جو میں بروزِ قیامت نبی کریم کو سناتے سناتے ان کے ساتھ ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤں اور اس نعت کے ذریعے فلاح پا جاؤں۔

سجدہ شکر میں ہے ناصیہ عرشِ بریں
خاک سے پائے مقدس کا لگا کر صندل

تشریح: جب نبی کریمؐ کو معراج کے لیے بلایا گیا اس وقت عرش بریں بھی خوشی سے جھوم اٹھا۔ آپؐ نے جب اپنے قدم مبارک عرش بریں پر رکھے تو آپؐ کے مبارک قدموں میں لگی ہوئی خاک عرش بریں کے لیے صندل سے کم نہ تھی۔ عرشِ بریں کی جبیں اپنی اس خوش نصیبی پر (کہ اس پر محبوب خدا

تشریف لائے ہیں) رب باری تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر ادا کرنے لگی۔ بے شک عرش بریں کے لیے بھی یہ بڑے نصیب کی بات تھی کہ معراج کے دن آپ ﷺ نے اپنے قدم مبارک وہاں رکھے۔

آرزو ہے کہ رہے دھیان ترا تا دمِ مرگ

شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل

تشریح: میری یہ دعا ہے اور دلی خواہش بھی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہمیشہ اپنی سوچ اور دھیان میں رکھوں اور کاش اسی حالت میں میری موت واقع ہو کہ جب وقت نزع ہو آپ ﷺ ہی کا دیدار میری انکھوں کے سامنے ہو۔ یعنی اگر میں ہمیشہ آپ ہی کا تصور اپنے دماغ میں رکھوں تو مرتے وقت بھی آپ ہی کا تصور میرے دل و دماغ میں ہو گا۔ اور ایسی موت ضرور میرے لیے قابل رشک ہو گی۔

خلاصہ نعت

حوالہ: نصاب میں شامل "نعت" کے شاعر محسن کاکوروی ہیں۔ یہ نعت "کلیاتِ محسن کاکوروی" سے ماخوذ ہے۔ جو ان کے مشہور زمانہ قصیدے "قصیدہ مدیح خیر المرسلین (قصیدہ لامیہ) کا جزو ہے۔ قصیدہ لامیہ کو اردو کے بہترین نعتیہ قصائد میں شمار کیا جاتا ہے محسن کاکوروی نے نعت گوئی کا جو رنگ قصیدہ لامیہ میں اپنایا اس کی نظیر اردو ادب میں نہیں ملتی۔

خلاصہ: محسن کاکوروی اس نعتیہ جزو میں فرماتے ہیں کہ بے شک اس کائنات کے تمام تخلیقات میں سب سے اعلیٰ اور بلند پایہ ذات نبی ﷺ کی ہے اور جو شخص اس بات پر کامل ایمان رکھتا ہے حقیقت میں کامل ایمان اس کا ہے۔ میری دعا ہے کہ میرے کوئی بھی شعر کوئی بھی غزل، قصیدہ، یا قطعہ نبی کریم ﷺ کی محبت اور ان کی تعریف سے خالی نہ ہو۔ یہاں تک کہ میرے مرنے کے بعد بھی آپ کا خیال اور تصور میرے دل و دماغ سے دور نہ ہو کیوں ان کا تصور ہی اندھیری اور تاریک راہوں میں میرے لیے روشنی کا باعث بنے گا۔ میری خواہش ہے کہ میں قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کی مدح و تعریف کرتے ہوئے اور یہی قصیدہ سناتے ہوئے میں نہیں ملتی۔

جنت میں داخل ہو جاؤں۔ بے شک حضرت محمد صل اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ذات ہے جس کی تعریف انسانوں کے لیے ممکن ہی نہیں۔ ہم انسانوں کے پاس وہ زبان اور الفاظ ہی نہیں جو اس باکمال ذات کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر سکیں۔ نبی ﷺ کی ذات تو وہ ذات ہے کہ جب خدا نے انہیں تخلیق کیا تو خود فرمانے لگے کہ میری تمام تخلیقات میں سب سے افضل و اعلی تخلیق آپ کی ہیں۔

Prof. Mukhtar Ahmed

منقبت

اعجاز رحمانی(۱۹۳۶ء-۲۰۱۹ء)

تعارف: اعجاز رحمانی ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کے مشہور شہر علی گڑھ میں گھر پیدا ہوئے۔ ان کا پورا نام سید اعجاز علی رحمانی تھا۔ دینی تعلیم علی گڑھ ہی میں حاصل کی۔

وہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ شاعری کا آغاز کیا تو قمر جلالوی کی شاگردی اختیار کی۔ اعجاز رحمانی غزل اور نظم جیسی اصناف سخن پر بھی یکساں عبور رکھتے تھے۔ انھیں نعت خواں کی حیثیت سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ انھوں نے نعت کو خاص طور پر اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ان کی وفات ۲۶ ۱اکتوبر ۲۰۱۹ء کو ہوئی۔

تصانیف: خوشبو کا سفر عظمتوں کے مینار، آخری روشنی، پہلی کرن، اعجاز مصطفیٰ، کاغذ کے سفینے، افکار کی خوشبول، لمحوں کی زنجیر وغیرہ۔۔

لائق توقیر ہیں سب جاں نثار مصطفیٰ---جاں نثاروں میں خصوصاً چار یار مصطفیٰ
جاں نشین اولیں خدمت گزار مصطفی۔۔ حضرت صدیق اکبر، یار غار مصطفی
سیرت صدیق پر جب غور کرتا ہے کوئی۔۔ صاف آتے ہیں نظر نقش و نگار مصطفیٰ

حوالہ: ہمارے نصاب میں شامل ”منقبت اعجاز رحمانی صاحب کی شہرہ آفاق تصنیف ”عظمتوں کے مینار سے ماخوذ ہے۔ عظمتوں کے مینار چاروں خلفائے راشدین کی زندگی اور اسلام کے لیے ان کی خدمات پر مشتمل وہ کلام ہے جس میں چار سو سے زائد بند شامل ہیں۔ اس تصنیف میں خلفائے راشدین کی ولادت سے وصال تک پوری زندگی کا احوال بیان کر دیا گیاہے۔ اردو میں متعدد شعرا نے خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام پر منقبت، خصوصاً حضرت علی کرم

Prof.Mukhtar Ahmed

اللہ وجہ پر کئی نظمیں بھی لکھیں لیکن چاروں خلفائے راشدین کے مکمل حالات وزندگی پر کسی نے ایسا منفرد کام نہیں کیا لہٰذا اعجاز رحمانی کا یہ کام اردو ادب میں الگ حیثیت و مقام رکھتا ہے۔

تشریح: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے تمام صحابہ اور ساتھی یوں تو قابلِ احترام اور قابلِ عزت ہیں لیکن ان سب میں چاروں خلفائے راشدین کا مقام و مرتبہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ خلفائے راشدین میں نبیؐ کے سب سے پہلے جانشین اور خدمت گزار، دوست اور ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ جو یارِ غار کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ غارِ ثور میں جب آپ نے نبی کریمؐ کی بے لوث خدمت اور محبت کا ثبوت دیا اسی نسبت سے آپ کو یارِ غار کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی سیرت پر اگر غور کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ آپ کی سیرت مبارکہ مکمل طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکس تھا، جو آپ کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تقلید کرنے کی وجہ سے انھیں حاصل ہوئی۔

ہر اک قول اور ہر عمل آپ کا ہے۔۔ عدالت کی میزان فاروق اعظمؓ
سبھی آپ کی عظمتوں کے ہیں قائل۔۔ ہیں جتنے مسلمان فاروق اعظمؓ

تشریح: حضرت عمر فاروقؓ نے کفر اور سلام کے درمیان تفریق کی۔ آپ کے اسلام قبول کرنے ک بعد مسلمانوں نے اعلانیہ طور پر بیت للہ میں عبادت کی جسے دیکھ کر

کفار حیران رہ گئے۔ آپ کا نام عدل وانصاف کے حوالے سے خاص طور پر مشہور ہے۔ آپ اپنی ہر بات اور اپنے ہر عمل کے ذریعے انصاف کے تقاضوں کو پورا فرماتے۔ جہاں بھر میں جتنے بھی مسلمان ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ آپ عدل وانصاف کے معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتتے۔ یہی آپ کی عظمت کا نشان بھی ہے۔

ذات جن کی جامع القرآن ہے۔۔ نام ان کا حضرت عثمانؓ ہے
دیکھ کر تنویر ذوالنورین کی۔۔ آئینہ بھی کسی قدر حیران ہے

تشریح: حضرت عثمان غنیؓ جامع القرآن ہیں۔ آپ کے دور خلاف میں قرآن کریم کو جمع تدوین کیا گیا۔ اس لیے آپ کو جامع القران کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے نکاح میں نبی کریمؐ کی صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں، اس نسبت سے آپ کو ذوالنورین یا دو نور والا بھی کہا جاتا ہے۔ شاعر نے حضرت عثمانؓ کے القابات جامع القرآن اور ذوالنورین کہتے ہوئے بتایا ہے کہ آپ کی شان اور نور کی روشنی سے آئینہ بھی حیران ہو جاتا ہے۔

روشن جو دیا حبِ علیؓ کا نہیں ہو گا۔۔ ذہنوں سے کبھی دور اندھیرا نہیں ہو گا
یہ قول نبیؐ یاد نہیں کیا تمھیں لوگو۔۔ جو شخص علیؓ کا نہیں، میرا نہیں ہو گا

Prof Mukhtar Ahmed

تشریح: جب تک ہمارے دل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت سے منور نہیں ہوں گے تب تک دل و دماغ ظلمت کے اندھیروں میں ہی غوطہ زن رہے گا۔لہذا ضروری ہے کہ اگر اسلام کو صحیح طور پر سمجھنا ہے تو حضرت علیؓ کی محبت کو اپنے دل میں بسا لیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص علیؓ کا نہیں ہو گا وہ شخص میرا کیا ہو گا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی رخصتی

حفیظ جالندھری(۱۹۰۰ء-۱۹۸۲ء)

تعارف: اصل نام محمد حفیظ ۱۳، جنوری ۱۹۰۰ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ شمس الدین تھا۔ صرف ساتویں تک تعلیم حاصل کی۔ شاعری کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا غلام قادر گرامی کے باقاعدہ شاگرد ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ریاست خیر پور کے درباری شاعر ہوئے۔ ریاست ٹونک نے ملک الشعراء کے خطاب سے نوازا۔ نظام حیدر آباد نے سلطان الہند "کا خطاب دیا۔ برطانوی حکومت نے حفیظ کو" خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ گئے اور سکے افواج کے ڈائریکٹر آف مورال (اخلاق) مقرر ہوئے۔ آپ پاکستان کے قومی ترانے کے خالق ہیں۔ قومی ترانہ تخلیق کرنے کی وجہ سے شاعر پاکستان کا خطاب ملا۔ ستارہ امتیاز بھی حاصل کیا۔ حفیظ کی وفات ۲۱، دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں ہوئی۔

تصانیف: شعری مجموں میں نغمہ زار تلخابی شیریں سوز ساز اور چراغ سحر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وجہ شہرت "شاہنامہ اسلام ہے جس میں انھوں نے اسلام کی تاریخ کو چار جلدوں میں نظم کیا ہے نثری تصانیف میں نفت پیکر (افسانوی مجموعہ) حفیظ تاشقند میں (سفر نامہ) اور چھوٹی نامہ وغیرہ شامل ہیں۔

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی، پہنے

حیا کی چادریں، عفت کا جامہ، صبر کے گہنے

حوالہ: یہ شعر حفیظ جالندھری کی نظم "حضرت فاطمہ الزہراؓ کی رخصتی سے لیا گیا ہے۔ یہ نظم ان کی شہرہ آفاق نظم "شاہنامہ اسلام" سے ماخوذ ہے۔ حفیظ جالندھری اردو کے اہم شعرا میں شامل ہیں جو بیک وقت غزل نظم اور گیت میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ حفیظ کی ایک وجہ شہرت پاکستان کا قومی ترانہ بھی ہے۔

تشریح: حفیظ جالندھری نے اس نظم میں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے عزیز صاحب زادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی اور رخصتی کی منظر کشی کی ہے۔ اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ جب حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد کے گھر سے رخصت ہوئیں تو شرم وحیا کی چادر اوڑھے ہوئے تھیں اور پاکیزگی کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور ان کی طبیعت میں صبر ورضا جیسی خوبیاں موجود تھیں۔ یہاں شاعر کی مراد یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کو دنیاوی جہیز کی بجائے ایسی تربیت حاصل ہوئی تھی جو کسی بڑی دولت سے کم نہ تھی۔

ردائے صبر بھی حاصل تھی، توفیق سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اُسے سر تاج خاتونانِ جنت بھی

تشریح: حضرت فاطمہؓ کی طبیعت میں صبر ورضا کے ساتھ عادت وفیاضی جیسی خصوصیات موجود ہیں اور یہ خوبیاں کیوں نہ ہوتیں آخر میں جنت میں عورتوں کی سردار بننے کا اعزاز حاصل ہونا تھا۔

اس کی تربیت میں اُسوہ تھا یمن وسعادت کا
اُسی کی گود سے دریا ابلنا تھا شہادت کا

تشریح: حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت ہاتھوں میں ہوئی اور برکت وسعادت مندی جیسی خصوصیات سے آراستہ ہوئیں۔ اور اس طرح سے انھوں نے اپنی اولاد کی تربیت بھی کی انھی کی گود سے شہادت کا دریا بھی ابلا۔ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام نے میدان کربلا میں شہادت پائی۔

وہی غیرت جو مہر خاتم حق کا نگینہ تھی
امیں کی لاڈلی ہی اس امانت کی امینہ تھی

تشریح: حضرت محمد ﷺ خاتم النبین ہیں ان پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا لیکن آپؐ سیرت وکردار اور اخلاق کی اصل امانت دار بھی حضرت فاطمہ ہی تھیں۔

علی مرتضیٰ نے آج تاجِ "ہل اَتی" پایا

Prof. Mukhtar Ahmed

دلہن کی شکل میں اک پیکرِ صدق وصفا پایا

تشریح: تاجِ "ہل اَتی" سے مراد وہ اعزاز ہے جس کا ذکر سورہ دہر کی آیت نمبر آٹھ میں ہوا ہے تفسیر میں آتا ہے کہ ان سے مراد وہ افراد ہی جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں اور قریب ہیں اور اللہ بروز قیامت انھیں ایک خاص تاج عطا فرمائیں گے۔ اس شعر میں شاعر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قربت وخوشنودی کا انعام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسی دنیامیں حضرت فاطمہ کی صورت میں مل گیا۔ جو سچائی اور وفا کی پیکر تھیں۔

پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئیں

توکل کے خزانے، دولت مہر ووفا لائیں

تشریح: حضرت فاطمتہ الزہراؓ جب اپنے والد کے گھر سے رخصت ہو کے اپنے سسرال (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں تو ان کے ساتھ راضی بہ رضا رہنے اور مہربانی اور فاداری جیسی دولت ساتھ تھیں۔

جہیز ان کو ملا جو کچھ شہنشاہ دو عالم سے

ملا ہے درس ہم کو سادگی کا فخر آدم سے

تشریح: حضرت فاطمتہ الزہراؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو دنیاوی جہیز ملا اور مختصر اور سادگی کا مجموعہ تھا۔ اس جہیز سے ہمیں سادگی کا ایسا درس ملتا ہے جس کی تقلید کرنے سے معاشرے کی کافی خرابیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

متاع دنیوی جو حصہ زہرا میں آئی تھی

کھجوری کھردرے سے بان کی اک چارپائی تھی

تشریح: حضرت فاطمتہ الزہراؓ کو جہیز انتہائی مختصر اور سادہ ملا اس میں کوئی قیمتی اور عالی شان شے شامل نہ تھی۔ ان کے جہیز میں کھجور کی کھردری رسی کی ایک چارپائی تھی۔

مشقت عمر بھر کرنا جو لکھا تھا مقدر میں

ملی تھیں چکیاں دو تاکہ وہ آٹا پیس لیں گھر میں

تشریح: حضرت فاطمتہ از ہرا رض اللہ تعالیٰ عنہا کی قسمت میں ساری زندگی محنت ومشقت کرنا لکھا تھا اس لیے انھیں جہیز میں ایک چارپائی کے علاوہ دو آٹا پیسنے کی چکیاں بھی ملیں تاکہ وہ گھر میں آٹا پیس سکیں۔

گھڑے مٹی کے دو تھے اور ایک چمڑے کا گدا تھا

نہ ایسا خوش نما تھا یہ نہ بدزیب اور بھرا تھا

Prof.Mukhtar Ahmed

تشریح: حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جہیز میں پانی پینے کے لیے دو مٹی کے گھڑے اور ایک چمڑے کا گدا بھی ملا جو نہ تو بہت خوب صورت اور خوش نما تھا اور نہ ہی ایسا بھدا اور بد صورت جو برا محسوس ہو۔

بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتے کھجوروں کے
یہ وہ ساماں تھا جس پر جان و دل قربان حوروں کے

تشریح: حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو گ الماس گدے میں روئی کی جگہ کھجور کے پتے تھے، ایسے سادہ جہیز پر تو جنت کی حوریں بھی قربان ہو رہی تھیں۔

وہ زہرا جن کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک اُن کو تا کہ خود لایا کریں پانی

تشریح: حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کے لیے جنت میں تسنیم کوثر کی نہریں وقف تھیں انھیں جہیز میں ایک مشک دی گئی تھی تا کہ وہ اپنا پانی بھی خود بھر کے لایا کریں۔

ملا تھا فقر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو
کہ بخشی تھی خدا نے اک جبین سجدہ ریز ان کو

تشریح: حضرت فاطمۃ ازہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اصل جہیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ملا وہ فقر و فاقہ تھا، یعنی ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرنا اور جو ملے اس میں گزارا کرنا۔ یہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادت گزار بنایا تھا جو ہر لمحہ خدا کے حضور سجدہ ریز رہتی تھیں۔

مرکزی خیال: اس نظم میں دراصل شاعر نے حضرت فاطمۃ ازہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رخصتی کا منظر پیش کر کے اور ان کے جہیز کا تذکرہ کر کے مسلم خواتین کو یہ درس دیا ہے کہ وہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقلید کریں اور جہیز کے سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کریں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ ﷺ کی عزیز ترین صاحب زادی تھیں۔ ان کی شادی کے موقع پر آپ ﷺ چاہتے تو دنیا جہان کی اشیا انھیں دے سکتے تھے لیکن انھوں نے سادہ اور مختصر جہیز دے کر اپنی امت کو سادگی اور اعتدال کا سبق دیا ہے۔ یہ سادگی اور اعتدال صرف شادی بیاہ کے مواقعوں یا جہیز کے لیے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر عمل کے لیے ہے۔ اگر ہم سب حضور اکرمؐ سے دیے گئے سادگی اور کے سبق کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیں تو معاشرے سے کافی برائیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

خلاصہ

نظم کا خلاصہ رسول کریم صلی الہ علیہ وسلم کی عزیز ترین صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو آپ اپنی رخصتی کے وقت دنیاوی آسائشوں کی بجائے شرم و حیا کی چادر اپنے سر پر اوڑھی ہوئی تھی اور صبر کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں۔ آپ

Prof Mukhtar Ahmed

سخاوت کا پیکر تھیں اور کیوں نہ ہوتیں، آخر آپ کو جنت کی خواتین کا سردار بھی تو ہونا تھا۔ ان کی تربیت حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں سے ہوئی اس لیے ان کی طبیعت میں سعادت مندی اور برکتیں بھی شامل ہو گئیں تھیں۔ انھی کی مقدس گود سے شہادت کا دریا ابلنا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی تھی، ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن آپ ﷺ کی سیرت و کردار جیسی اعلیٰ شخصی خصوصیات وراثت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لیں کیوں صرف وہی اس امانت کو حاصل کرنے والی اصل حق دار تھیں۔ جب آپ اپنے والد ماجد کے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر یعنی سسرال آئیں تو آپ کے ساتھ نہایت سادہ جہیز تھا، اس میں کھجور کے کھردرے بان کی ایک چارپائی، ایک پانی بھرنے کی مشک، دو چکیاں مٹی کے دو گھڑے اور ایک چمڑے کا گدا تھا۔ یہ مختصر سامان جہیز کی صورت میں اس عظیم خاتون کو ملا جو جنت میں کوثر و تسنیم کی مالک تھیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انھیں ثمر و رضا کے ساتھ ہمیشہ شکر ادا کرنے والی صفات سے نوازا تھا۔

خواجہ میر دردؔ دہلوی

غزل(۱)

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

حوالہ: درجِ بالا شعر نصاب میں شامل خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ خواجہ میر درد نے اردو شاعری تصوف سے روشناس کرایا اور اسی سبب آپ اردو شاعری
میں تصوف کے امام کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ کلاسیکی شاعری کے سنہری دور میں آپ نے غزل کے سینے کو حسن و عشق کی کیفیت کی جگہ یادِ الٰہی اور عشق حقیقی سے بھر دیا۔ آپ کی قادر الکلامی صرف حقیقی موضوعات تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے مجازی کیفیات کو بھی خوب صورتی کے ساتھ قلم بند کر کے اردو کے سرمایہ دب میں خود کو امر کر لیا۔

تشریح: دل ناکام امیدوں اور حسرتوں کا محور بن چکا ہے۔ سینے میں موجود حسرتوں کا یہ غبار چار سو چھایا ہوا ہے۔ میرے دل میں جھانک کر دیکھ تو اس میں حسرت اور مایوسی کے سوا اب یہاں کچھ نہیں نظر نہیں آئے گا۔ مایوسی اور ناامیدی کے اس ہجوم کی وجہ سے اب جی گھبرانے لگا ہے یعنی ہمارے سینے میں اب بس مایوی اور حسرتیں ہی پائی جا رہی ہیں لہٰذا ہمارا دل اب موجودہ کیفیت سے گھبرا چکا ہے۔ یہ شعر غزل کا مطلع ہے۔

تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جُز جفا
پر وہ کیا کچھ ہے کہ جی کو بھا گیا

Prof.Mukhtar Ahmed

تشریح: جب سے ہم تیری محبت میں گرفتار ہوئے ہیں جب سے بے وفائی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تو وفا سے ناواقف ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے عرصہ محبت میں بے وفائی کے علاوہ تجھ سے کچھ نہ پایا لیکن ہمارا دل بھی عجیب کیفیت کا حامل ہے تیرے تمام تر ظلم و ستم اور جور و جفا کے باوجود یہ بس تیری ہی جانب رخ کیے بیٹھا ہے۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب تو ہماری جانب متوجہ ہی نہیں تو پھر ہمارا دل کیوں تیری ہی جانب بڑھتا چلا جارہا ہے۔ وہ کیا ایسی چیز ہے جو اس دل کو بھا چکی ہے اور یہ دل تیری تمام تر جفا کے باوجود بس تجھ ہی پر توجہ مرکوز کیے بیٹھا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں میری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

تشریح: اکثر آنکھیں بند کرکے محبوب کے تصور میں مگن رہنا عشق کی کیفیت ہے مگر یہ کیفیت اس وقت دیوانگی کی صورت اختیار کر جاتی ہے جب آپ محبوب کے تصور سے باہر ہی نہ نکلنا چاہیں اور صرف آنکھیں بند کیے محبوب کے خیالوں میں مگن رہیں۔ بالکل اسی طرح جب محبوب کا تصور میرے دل و دماغ پر طاری ہوتا ہے تو ہم آنکھیں بند کیے حقیقی دنیا سے دور نکل جاتے ہیں اور اپنے اس تصور میں مگن رہ کر دنیا کی طرف سے انکھیں بند کر لیتے ہیں۔

میر درد کا یہ شعر مجازی کے علاوہ حقیقی معنوں میں بھی مستعمل ہو سکتا ہے کہ دل جب یادِ خدا میں مشغول ہوتا ہے تو ہم پہروں آنکھیں بند کیے اپنے رب کی یاد میں مگن رہتے ہیں اور دنیا سے تعلق ترک کرکے اس سے لو لگائے رکھتے ہیں۔ آنکھیں کھلنا محاورہ بھی ہے یعنی ہماری آنکھوں پر پڑی پٹی کیسے ہٹے گی۔ جب ہم تیرے سوا کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہ رہے۔

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

تشریح: ہم اپنے دل کی کیفیت کبھی اپنے محبوب کے سامنے بیان نہ کر پائے، بلکہ ہماری کوشش ہمیشہ یہ رہتی تھی کہ ہم اپنے دل کی اس کیفیت کو چھپائیں لہذا ہم نے جانتے بوجھتے بھی اپنے دل کی بات مجھ پر ظاہر نہ کی پر محبت چھپائے نہیں چھپتی۔ گویا ہم سے اظہار محبت نہ ہو سکا مگر ہم اپنی آنکھوں کی لاپرواہی کے سبب تجھے یہ باور کرا چکے کہ ہم تیری ہی محبت میں گرفتار ہیں۔ گو کہ ہم نے اظہار محبت نہیں کیا لیکن ہماری آنکھوں میں پائی جانے والی محبت کو تو پڑھ چکا ہے۔

مٹ گئی تھی اس کے جی سے تو جھجک

درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

تشریح: ہم اس بات پر نادم و شرم سار ہیں کہ ہماری فضول گوئی اور بے سر و پا باتیں تجھے بسا اوقات حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ حالانکہ تو اب ہم سے اتنا مانوس ہو چکا ہے کہ ہمارے درمیان اب کوئی ہچکچاہٹ یا جھجک باقی نہیں تو اپنے دل کی باتیں مجھ سے بلا جھجک کر دیتا ہے مگر میں بعض اوقات فضول گوئی اور بے تکی باتوں کے سبب تجھے خود سے دور کر بیٹھتا ہوں اور کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہوں جس سے تیرا دل چونک اٹھتا ہے اور ہمارے درمیان پھر ایک فاصلہ آ جاتا ہے۔ اس شعر میں بک بک کے ذریعے صنعت تکرار پیدا کی گئی ہے۔

خواجہ میر دردؔ دہلوی

غزل(۲)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا

برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

حوالہ: درجِ بالا شعر نصاب میں شامل خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے۔ خواجہ میر درد نے اردو شاعری تصوف سے روشاس کرایا اور اسی سبب آپ اردو شاعری

میں تصوف کے امام کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ کلاسیکی شاعری کے سنہری دور میں آپ نے غزل کے سینے کو حسن و عشق کی کیفیت کی جگہ یادِ الٰہی اور عشق حقیقی سے بھر دیا۔ آپ کی قادر الکلامی صرف حقیقی موضوعات تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے مجازی کیفیات کو بھی خوب صورتی کے ساتھ قلم بند کر کے اردو کے سرمایہ دب میں خود کو امر کر لیا۔

تشریح: دنیا میں آنے کے بعد اگر ہم دنیا کی رنگینیوں میں ایسے گم ہو جائیں کہ اپنے پیدا کرنے والے رب کو ہی نہ پہچان سکیں تو سمجھ لو کہ ہم اس دنیا کو صحیح سے دیکھ ہی نہ پائے کیونکہ وہ شخص جو دنیا میں پوشیدہ رازوں کو جان لیتا ہے وہ حقیقت میں خدا کو بھی پہچان لیتا ہے یہ وسیع و عریض دنیا در حقیقت خدا تک پہنچانے کا ایک وسیلہ ہے۔ دیکھا جائے تو دنیا کی تمام تر رنگینی غیر حقیقی اور مجازی ہے، جس کی آنکھیں اس مجازی حسن کی پرستار ہو گئیں وہ حقیقت کو مجھ اور دیکھی نہیں پاتا لہذا وہ مختص جس نے دنیا میں آکر اپنے کو نہیں پایا رب کو نہیں پایا حقیقی معنوں میں وہ دنیا کو دیکھ ہی نہ سکا۔

میرا غنچہ دل ہے وہ دل گرفتہ

Prof.Mukhtar Ahmed

کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

تشریح: میرا دل ایک بند پھول کی مانند ہے۔ جس طرح ایک کلی خود کو سمیٹے ہوئے اپنی کیفیت ظاہر نہیں کرتی بالکل اس طرح میرا دل بھی تیری وفا میں گرفتار ہے گو کہ اس
دل میں تہ در تہ تیرے ظلم وستم اور جفا کہ کئی باب ہیں مگر ہماری جانب سے ہمیشہ اپنے دل کی کیفیت کو چھپایا گیا ہے کہ کہیں یہ دنیا پر آشکار نہ ہو جائے اور تیرے لیے رسوائی کا سبب بن جائے۔ لہٰذا اپنے دل کو ہم نے ایک کلی کی مانند بند کیے رکھا ہے اور اس دل کی کیفیت کبھی بھی کسی کے سامنے ظاہر نہ ہو پائی شعر میں لفظ "کبھو" اور "کسو" کا استعال کیا گیا ہے جو کہ اب متروک ہیں اور ان کی جگہ کبھی اور کسی مستعمل ہیں۔ نیز دل کو غنچے سے تشبیہ دے کر اس کے بند یا ظاہر نہ ہونے کی کیفیت بتائی گئی ہے۔

یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں

کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

تشریح: میرا محبوب لاپرواہی اور غفلت میں وہ مقام رکھتا ہے جو آج تک کسی کو حاصل نہ ہوا یعنی ایک طرف ہم اس کی محبت میں خود کو فنا کر رہے ہیں جب کہ محبوب کی بے گانگی اور غفلت کا عالم یہ ہے کہ اسے خبر ہی نہیں۔ کیا کوئی اس قدر لاپرواہ ہو سکتا ہے کہ اسے کسی دوسرے کے جینے مرنے کی بالکل فکر ہی نہ ہو، جب کہ وہ جانتا ہے کہ میرا جینا اور مرنا اس سے وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ بیگانہ شخص آج تک کوئی دوسرا نہ دیکھا جسے دوسرے کی کیفیت کا رتی برابر احساس نہیں۔

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں

کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تشریح: شعر میں دل کے ان گنت زخموں کو سروِ چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جب کہ کبھو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ اب متروک ہے اور کبھی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ تو نے جو دل میں آگ لگائی ہے اس کے زخموں کو جمع کیا جائے تو یہ سرو کی مانند طویل قامت ہو جائیں گے اور جلتے ہوئے زخم، چراغاں کے مانند سرو سے جڑے دکھائی دیں گے۔ بظاہر مجھے دیکھنے سے محسوس ہو گا کہ طویل قامت سرو کے درخت پر بے شمار چراغ روشن ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ کوئی تماشا نہیں بلکہ تیری جانب سے ملے ہوئے زخموں کا وہ طویل پہاڑ ہے جو دنیا کے لیے تماشے کی صورت اختیار کر گیا ہے اور لوگ میری مجنوں کی سی کیفیت کو دیکھ کر محظوظ ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ تو اس تماشے سے محظوظ نہ ہو سکا۔ گویا میں تیری محبت میں اک تماشا بن چکا ہوں جسے دنیا دیکھ رہی ہے مگر تیرا تغافل اس عالم کا ہے کہ تو میری طرف اس حالت میں بھی توجہ کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔

Prof.Mukhtar Ahmed

شب وروز اے درد آدر پے ہو اس کے

کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

تشریح: شعر میں کسو کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ اب متروک ہے اور یہ لفظ اب کسی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ جبکہ شب وروز کی ترکیب تضاد کو ظاہر کرتی ہے۔ شعر حقیقی و مجازی دونوں کیفیات میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم دن رات اس کے در پر پڑے ہوئے ہیں اور اسی سے لو لگائی ہوئی ہے مگر حیرت اس بات پر ہے کہ باقی سب لوگ اس سے اتنے غافل اور لاپرواہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ اسے نہ دیکھ پا رہے ہیں نہ سمجھ پا رہے ہیں جبکہ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم اسے صحیح طرح جان چکے ہیں لہذا مجال ہے کہ اس کے در سے اٹھ کر کہیں اور چلے جائیں۔

میر تقی میرؔ

غزل(۱)

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا

لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

حوالہ: درج بالا شعر ہمارے نصاب میں شامل میر تقی میر کی غزل سے اخذ کیا گیا ہے۔ میر تقی میر اردو شاعری میں مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ متقدمین و متاخرین نے آپ ہی کو معیار بنایا اور آپ کے حق استادی کو تسلیم کیا۔ آپ کی شاعری میں درد و غم، رنج والم کی کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کی بنا پر آپ کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔

تشریح: ہماری آنکھیں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں۔ آنسوؤں کی یہ لڑی ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی اس کی وجہ دل میں چھپا ہو امحبت کا غم ہے اور اس غم کے سبب ہماری آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہتی ہیں۔ ہماری آنکھوں سے آنسو صرف اس وقت رُک پاتے ہیں جب ہماری آنکھوں سے اشک کی جگہ لہو ٹپکنے لگتا ہے۔ یعنی اگر اشک نہیں آتا تو اس کا سبب بھی غم کی وہ شدید کیفیت ہے جب ہماری آنکھیں خون کے آنسو رونے لگتی ہیں۔ یعنی ہمارے دل میں چھپا ہوا غم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو آنکھیں آنسوؤں کی جگہ خون بہانے لگ جاتی ہیں اور یہی وہ لمحہ ہے جب ہماری آنکھوں میں اشک نہیں پایا جاتا کیونکہ اس کی جگہ لہو لے چکا ہوتا ہے۔ اس شعر میں لفظ "لوہو" متروک ہے اور اب اس کی جگہ لہو مستعمل ہے۔

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن

Prof.Mukhtar Ahmed

جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

تشریح: گو محبت میں ہم پر جنون کی کیفیت طاری نہ ہوئی اور ہم نے محبت کے فریضے کو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ نبھایا اور محبوب کو اپنے جنوں کی کیفیت سے پریشان اس کے باوجود ہم اس کیفیت کو صرف محبوب کی غیر موجودگی میں ہی قائم رکھ پاتے تھے محبوب کے سامنے آتے ہی ہم سے یہ اختیار بھی چھن جاتا تھا اور ہم اپنے ہوش بارگاہ میں کھو بیٹھے تھے۔ یعنی محبوب کی موجودگی میں ہمارا خود پر قابو رکھنا محال ہو جاتا ہے اس کی رخصت میں تو جیسے تیسے کام چل جاتا ہے مگر اس کی آمد ہمیں ہوش سے بیگانہ کر دیتی ہے۔

صبر تھا ایک مونس ہجراں

سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

تشریح: تنہائی اور محبوب سے دوری کے عالم میں ہمیشہ صبر نے ہمارا ساتھ دیا ہم نے محبوب کی جدائی پر ہمیشہ صبر کیا اور شکوہ شکایت سے پرہیز کیا۔ گویا صبر ہمارا بہترین دوست بن گیا جو ہجر کے اوقات میں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا مگر اب کی بار محبت میں جدائی کا احساس ایسی شدت اختیار کر گیا ہے کہ ہمارا یہ رفیق و دم ساز بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گیا ہے یعنی اس بار تنہائی میں صبر بھی ہمارے ساتھ نہیں اور تنہائی کے اضطراب نے ایک مدت سے ہمیں اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے اور یہ کیفیت اتنی شدید ہے کہ اب صبر بھی نہیں آ رہا۔

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش

گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

تشریح: جب تک ہمارے دل میں تیری امید اور خواہش باقی تھی ہم صبر اور قناعت کے ساتھ تجھے پانے کی تگ و دو میں مصروف تھے مگر تیری طرف سے روا رکھے گئے جور و ستم اور تغافل نے آہستہ آہستہ ہماری اس امید اور خواہش کو بھی توڑ دیا۔ اب تجھے پانے کی خواہش دل سے رخصت ہو چکی ہے اب اپنے دل کی اس حسرت پر رونے کے وا اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ یعنی محبت کے اختتام پر ہمیں بے تحاشہ رونا صرف اس لیے آ رہا ہے کہ اب ہمارے دل میں تیری خواہش تک بھی باقی نہ رہی۔

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہم دم

پر سخن تا بہ لب نہیں آتا

تشریح: ہمارے دل اور ہمارے سینے میں وہ راز فن ہیں جنھیں اگر زبان مل جائے تو محبوب دنیا کا سامنا کرنے کے بھی قابل نہ ہے۔ یعنی ہمارا دل میری طرف سے ملنے والے ہر فریب کو خود میں چھپائے بیٹھا ہے۔ اور ہم صرف تیری رسوائی کے ڈر اور پاسِ وفا کی خاطر تیری جانب سے روا کیے گئے ان ظلم و ستم کو اپنی زبان تک بھی نہیں لاتے۔ یہ ہمارا ظرف اور محبت کی معراج ہے کہ ہم تجھ سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کا شکوہ بھی نہیں کرتے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

میر تقی میرؔ

غزل (۲)

تجاہل، تغافل، تساہل کیا

ہوا کام مشکل توکّل کیا

حوالہ: درج بالا شعر ہمارے نصاب میں شامل میر تقی میر کی غزل سے اخذ کیا گیا ہے۔ میر تقی میر اردو شاعری میں مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ متقدمین و متاخرین نے آپ ہی کو معیار بنایا اور آپ کے حق استادی کو تسلیم کیا۔ آپ کی شاعری میں درد و غم، رنج والم کی کیفیت نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کی شاعرانہ عظمت کی بنا پر آپ کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔

تشریح: تیری یادوں کو بھلانے کے لیے ہم نے ہر طریقہ آزمایا۔ ہم نے تجھ سے لاپروائی برتی تیرے معاملے میں سستی دکھائی یہاں تک کہ انجان رہنے کی بھی کوشش کی مگر تیری محبت کا یہ عالم تھا کہ ان تمام تر کوششوں کے باوجود تیری یاد بھلائے نہیں بھولی۔ بالآخر جب ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود تیری محبت ہم اپنے دل سے رفع نہیں کرپائے اور اپنے ہی ہم نے تمام تر کوششیں کر کے دیکھ لیں تو پھر آخر کار ہم نے تیرا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کہ ہی کوئی راستہ نکالے گا جس کی بدولت ہم تیری حجت کے دام سے نکل آئیں گے۔

نہیں تاب لاتا دل زار اب

بہت ہم نے صبر و تحمل کیا

Prof.Mukhtar Ahmed

تشریح: ہمارے دل کی بے قراری کا عالم یہ ہے کہ یہ کس طور بھی آرام نہیں لے پارہا۔ ہم نے پہلے کی طرح بہت اسے دلاسا دینے کی کوشش کی مگر یہ دل اب کسی طور بھی

ماننے پر راضی نہیں گو کہ ہم نے اپنے تئیں تمام تر صبر و حل کر کے دیکھ لیا مگر دل سے تیری یاد بھلائے نہیں بھولتی۔

زمینِ غزل مِلک سی ہو گئی

یہ قطع تصرف میں بالکل کیا

تشریح: اگر شاعری کو زمین سے تشبیہ دی جائے تو اس میں غزل کا ٹکڑا اب ہماری ملکیت ہے اور ہم اس حصے کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ یہاں غزل کو استعارتاً قطع یعنی زمین کا ٹکڑا کہتے ہوئے اس ٹکڑے کو اپنے اختیار میں لینے کی بات کی گئی ہے۔ یعنی زمین غزل کو اپنے قبضے میں اس طرح لے لیا ہے کہ آنے والے لوگ بھی مجھے اب اس غزل کے میدان کا بادشاہ مانے بغیر نہ رہ پائیں گے۔ شاعر نے خوبصورت تعلّی کے ذریعے خود کو غزل کا مالک یا بادشاہ کہا ہے۔

جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چپ رہ سکا

کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غُل کیا

تشریح: مجھ پر نہ تو کی کیفیت طاری تھی کہ دنیا مجھے سنجیدہ ہی نہ لیتی نہ میں نے محبت کے اس درد کو چپ چاپ سہنا گوارا کیا۔ لہذا جسے ہی مجھے محبت کی قید سے آزاد کیا گیا یعنی محبت کی بیڑیاں میرے پاؤں سے توڑی گئیں تو میں نے اپنے شور و غل سے حشر برپا کر دیا۔ میری آہ و فغاں نے میری عشق کی زنجیر ٹوٹنے کے عمل کو نیا کے آگے آشکار کر دیا۔ یہ شاید نہ ہو پاتا اگر مجھ میں دیوانگی کی کیفیت ہوتی یا میں چپ چاپ اس درد کو سہ لیتا۔ مگر جیسے ہی محبت کی قید سے آزادی ملی، میں نے شور و غل کر کے میری محبت کا تماشا بنانے والے کا دنیا کے سامنے تماشا بنا دیا۔

نہ سوزِ دروں فصل گل میں چھپا

سر و سینہ سے داغ نے گل کیا

تشریح: بہار کا موسم عشاق کے لیے کسی آفت سے کم نہیں ہوتا۔ اس موسم میں دنیا کی رنگین شادابی دیکھ کر ان کے دل میں بھی محبت کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اس طرح محبت کے زخم بھی بہار کے موسم میں دوبارہ تازہ ہو جاتے ہیں۔ عشق کا وہ درد جو مدت سے سینے میں چھپایا ہوا تھا وہ بہار کے موسم میں چھپائے نہیں چھپائے نہیں چھپتا، لہذا موسم بہار میں ہمارے دل و دماغ پر محبوب کی جانب سے دیے گئے زخم پھر نمایاں ہونے لگے ہیں۔

ہمیں شوق نے صاحبو، کھو دیا

غلاموں سے اس کے تُوسل کیا

Prof.Mukhtar Ahmed

تشریح: یہ عشق ہمارے دل و دماغ کے ساتھ معاشرے میں ہمارے مقام و مرتبے کو بھی کھا گیا۔ عشق سے پہلے ہمارا معیار محفل قابلِ دید تھا مگر جوں ہی عشق نے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لیا، ہماری ذات، شخصیت، مقام و مرتبہ سب کا سب زمیں بوس ہو گیا۔ حالت یہاں تک گر گئی کہ ہم اپنے محبوب کے غلاموں سے بھی سفارش کروانے سے گریزاں نہ تھے۔ یہاں تک کہ رقیب جو کہ ازل سے دشمن ٹھہرا، ہم محبت کے معاملے میں اس کی منت سماجت کے بغیر بھی نہ رہ سکے۔ اور اس کے وسیلے سے محبوب تک پہنچنے کی کئی بار کوشش کر بیٹھے۔

حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامّل کیا

تشریح: مقطعے میں میر تقی میرؔ خود کو نہ سمجھ پانے کا شکوہ اپنی ذات سے کر رہے ہیں۔ یعنی ہم اپنی حقیقت سے ہی دور رہے اور اپنی حقیقت ہی کو نہ سمجھ پائے ایسا بھی نہیں کہ ہم خود کو پہچانے کے معاملے میں غفلت کا شکار رہے ہم نے تو اس معاملے میں دن رات غور و فکر بھی کیا مگر اس تمام غور فکر کے باوجود ہم اپنی حقیقت تک سے ناواقف رہے۔ جب ہم خود اپنے آپ کو نہ پہچان پائے تو کیسے ممکن ہے کہ ہم اس دنیا یا اپنے محبوب کو سمجھ پاتے اس شعر میں عشقِ حقیقی کے من بھی مراد لے جاتے ہیں کہ ہم اپنی اصل حقیقت یا مقصد سے غافل رہے، ہم اس دنیا میں جس مقصد سے آئے ہیں اس کی بجائے دوسرے کاموں میں الجھ کر ہم نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا کہ اللہ تعالی نے امیں اس دنیا میں اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

غزل(۱)

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا؟
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا؟

حوالہ: درج بالا شعر ہمارے نصاب میں شامل غالب کی غزل سے اخذ کیا گیا ہے۔ اردو شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو غالب تمام شعر اپر غالب نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں جدت خیال اور ندرت ادا کے ساتھ شاعرانہ تخیل کے وہ جوہر دکھائے کہ لوگ آپ کے دیوان کو الہامی کتاب کے بغیر نہ رہ سکے۔ حقیقت ہے کہ شاعری کی دنیا میں "غالب علی کل غالب"۔

تشریح: عموماً انسان جب کسی پریشانی یا مشکل میں پڑ جاتا ہے تو اس کے دوست اس مشکل وقت میں بڑھ کر اس کا ساتھ دیتے ہیں اور مشکل کو ختم کرنے کی کوشش کرتے

Prof.Mukhtar Ahmed

ہیں۔ مگر محبت کا غم ایسا غم ہے کہ دوست اس میں ساتھ دینا بھی چاہیں تو دے نہیں پاتے، خاص کر ایسے موقع پر جب ہم خود محبوب کے دیے ہوئے زخموں سے الفت کر بیٹھیں اور زخم جب بھرنے لگیں تو خود اپنے ناخنوں کے بڑھنے کا انتظار کرنے لگیں اور ان زخموں کو کرید کر پھر تازہ کر لیں۔ یعنی محبت کی ایسی کیفیت جہاں محبوب کے دیے ہوئے زخموں کے ساتھ ہی زندگی گزارنے میں لطف محسوس ہونے لگے تو ایسے عالم میں دوست بھلا کیوں کر مددگار ہو سکتے ہیں۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک

ہم کہیں گے حالِ دل اور اپ فرمائیں گے، کیا؟

تشریح: غفلت اور لاپرواہی بھی اپنی کچھ حدود رکھتی ہیں، کیا کوئی شخص آپ سے اتنا لاپرواہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس کی غلامی اختیار کریں اور اپنا حالِ دل اس کے سامنے بیان کر ڈالیں اور وہ ہماری اس کیفیت سے نابلد اپنے خیالوں میں اتنا مگن ہو کہ ہماری بات مکمل ہونے کے بعد سوالیہ نظروں سے ہماری طرف دیکھے اور پوچھے؛ کیا؟ یعنی ہم اپنی جان کی بازی لگا کر محبوب کے سامنے اظہارِ محبت کر رہے ہیں اور محبوب کی حالت یہ ہے کہ وہ ہماری بات پر توجہ تو درکنار اس بات سے بھی ناواقف ہے کہ ہم اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرتِ ناصح گر آئیں، دیدہ و دل فرشِ راہ

کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟

تشریح: دوسروں کو نصیحتیں کرنے والے عموماً اپنے گریبان میں نہیں جھانک سکتے۔ میرے پاس بھی اگر نصیحت کرنے والے تشریف لائیں تو میں انھیں خوش آمدید کہوں گا یہاں تک کہ اپنی آنکھیں اور دل بھی ان کی راہ میں بچھا دوں گا مگر جاننا صرف یہ ہے کہ وہ مجھے سمجھانے کیا آ رہے ہیں؟ کیا وہ خود میری کیفیت سے واقف ہیں۔ کیا انھیں محبت میں ملے ہوئے زخموں کا اندازہ ہے۔ اگر انھوں نے یہ کام خود کیے ہیں تو مجھے نصیحت کیوں؟ اور اگر نہیں کیا تو جس چیز کو وہ خود نہیں جانتے اس کے متعلق مجھے کس طرح سمجھا پائیں گے۔

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں

عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟

تشریح: میرے محبوب نے مجھ پر جو ظلم ستم اور جور و جفا کے تیر برسائے ہیں انھوں نے ہمیں سخت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے، محبت کا زخم عموماً انسان کو صرف زخمی کرتا ہے، جو نہ اسے جینے دیتا ہے نہ مرنے دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں بھی محبوب کے ہاتھوں اپنا حتمی فیصلہ چاہتا ہوں مگر محبوب ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر کے مجھے چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں تلوار ہاتھ میں لیے کفن باندھے محبوب کے سامنے حاضری دیتا ہوں کہ اگر میرا محبوب پھر کوئی

Prof. Mukhtar Ahmed

بہانہ تراشنا چاہے تو اسے کوئی بہانہ میسر نہ آئے آلۂ مقتل سمیت مقتل، قاتل، مقتول یہاں تک کہ کفن سب موجود ہے امید ہے کہ اب کوئی بہانہ کارگر ثابت نہیں ہو گا اور محبوب کسی حیلے کے ذریعے مجھے اس دفعہ ٹال نہیں پائے گا۔

ہے اب اس معمورے میں قحطِ غمِ الفت اسدؔ
ہم نے یہ مانا کہ دلّی میں رہیں، کھائیں گے کیا؟

تشریح: غم کے ساتھ عموماً کھانا محاورتاً استعمال ہوتا ہے۔ جیسے غم کھانا۔ جس بستی میں غم نہ ہو وہاں کھائیں گے کیا۔ غالب دہلی کے اجڑ جانے اور دہلی سے پری چہرہ معشوقوں اور ان کے عاشقوں کی ہجرت کر جانے پر افسردہ ہیں ان کے نزدیک دہلی میں اب الفت کا غم سرے سے موجود نہیں نہ یہاں پہلے کی محبت کرنے والے لوگ موجود ہیں اور نہ رنگین سماں لہٰذا اگر دلی میں الفت کا غم ہی موجود نہیں تو ہم یہاں رہ کر یہ غم کس طرح کھائیں گے؟ یعنی بغیر عشق کے کس طرح زندہ رہیں گے؟

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

غزل(۲)

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں

حوالہ: درج بالا شعر ہمارے نصاب میں شامل غالب کی غزل سے اخذ کیا گیا ہے۔ اردو شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو غالب تمام شعرا پر غالب نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری میں جدت خیال اور ندرت ادا کے ساتھ شاعرانہ تخیل کے وہ جوہر دکھائے کہ لوگ آپ کے دیوان کو الہامی کتاب کے بغیر نہ رہ سکے۔ حقیقت ہے کہ شاعری کی دنیا میں "غالب علی کل غالب"۔

تشریح: غفلت اور لاپرواہی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ ہم محبوب کے دروازے کے سامنے مستقل ڈیرا جمائے بیٹھے ہیں مگر مجال ہے کہ کبھی گزرتے ہوئے اس نے مجھ پر توجہ دی ہو مجھے دیکھ کر محبوب کو کچھ عجیب محسوس نہیں ہوتا وہ مجھے کچھ اس طرح نظر انداز کرتا ہے جیسے میں اس کے گھر کے راستے کا ہی کوئی حصہ

Prof.Mukhtar Ahmed

ہوں۔ غفلت اور لاپرواہی اس حد تک بڑھ جائے تو اپنی زندگی کو کوسنے کا دل کرتا ہے کہ محبوب ہمیں انسان تک سمجھنے پر آمادہ نہیں۔ اس کی نظر میں ہماری حیثیت تو ایک پتھر کی سی ہے جو اس کے در کے سامنے مستقل پڑا ہوا ہے۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل

انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

تشریح: زندگی میں دکھ اور سکھ ساتھ ساتھ موجود رہتے ہیں، ہر سختی کے بعد ملنے والی راحت گزشتہ پریشانی کے اثر کو زائل کر دیتی ہے۔ مگر ہمارے دکھ ہیں کہ تھمنے کا نام ہی

نہیں لے رہے ہماری زندگی مستقل گردش میں ہے اور یہ دائمی گردش کیوں نہ ہمارے دل کو پریشان کرے آخر ہم بھی تو انسان ہیں۔ ہمارے پاس بھی وہ دل ہے جو دوسروں

کی طرح غمزدہ ہوتا ہے۔ ہمارا دل شراب یا اس کے پیالے کی طرح نہیں جو اپنے اندر مچی گردش کو محسوس ہی نہ کر پائے۔

یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے

لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

تشریح: خدا کا قانون ہے کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اس دنیا کی تمام تر اشیاء ایک دن فنا ہو جائیں گی یہاں تک کہ ہماری زندگی بھی عارضی ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ اس عارضی زندگی کو بھی ختم کرنے پر لوگ اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ نہ جانے لوگ کیوں مجھے مارنے پر تلے ہوئے ہیں جبکہ ایک دن مجھے ویسے ہی خود اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔ نہ ہی میری زندگی ہمیشہ رہنے والی نہ ہی بار بار لوٹ کر آنے والی ہے۔ پھر لوگ مجھے مارنے میں ہر وقت کیوں مصروف ہیں بہتر یہ ہے کہ اپنی توانائیاں کسی اچھے مصرف میں استعمال کر لیں۔

کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے؟

لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں

تشریح: میری تمام تر کوششوں کے باوجود میں تمھیں عزیز نہیں ہوں جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کی مادی اشیاء تمھیں زیادہ عزیز تر ہیں۔ تمھیں ہیرے جواہرات، قیمتی پھر تو عزیز ہیں، مگر ہم نہیں۔ کیا تم مجھے عزیز صرف اس لیے نہیں رکھتے کہ میں کوئی قیمتی شے نہیں؟ شعر میں شاعر نے قیمتی اشیاء کی رعایت سے لعل، زمرد، زر اور گوہر کا ذکر کیا ہے جو کہ مراعات النظیر کی خوبصورت مثال ہے۔

رکھتے ہو تم قدم میری آنکھوں سے کیوں دریغ؟

رتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں

Prof.Mukhtar Ahmed

تشریح: ہم محبوب کی راہوں میں اپنی آنکھوں کو بچھائے بیٹھے ہیں مگر محبوب ہماری اس عاجزی کے باوجود ہم سے بیگانگی اختیار کیے بیٹھا ہے۔ محبوب اتنا قد آور ہے کہ محبوب کی قدم بوسی کا شرف سورج اور چاند تک کو حاصل ہے۔ کیا میرا رتبہ سورج اور چاند سے بھی کمتر ہے جو محبوب مجھ سے اجتناب کرتے ہوئے بچ نکلتا ہے یقیناً میں رہتے میں سورج اور چاند سے کمتر نہیں پھر میرا محبوب مجھ سے لاپرواہی کیوں برت رہا ہے۔

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کے لیے

کیا آسماں کے بھی برابر نہیں ہوں میں

تشریح: شعر میں محبوب کی شان میں خوبصورت مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ جہاں غالب نے محبوب کا مقام بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمارے محبوب کی قدم بوی تو آسمان بھی کرتا ہے مگر ہمارا محبوب ہمیں یہ شرف نہیں بخشتا۔ اس کی نظر میں ہماری حیثیت آسمان سے بھی کم تر ہے۔ محبوب کا دل و دماغ جہاں آسمانوں میں رہتا ہے وہیں اس کے چاہنے والوں کے قدم بھی زمین پر نہیں سکتے۔ جب کہ محبوب کے ہمارے مقام و مرتبے کا ادراک نہیں۔ ہمارا محبوب ذرا سا سخن فہم ہوتا تو اسے اندازہ ہوتا کہ ہمارا مقام و مرتبہ بھی آسماں سے کم نہیں۔ اسی بنا شاید ہمیں محبوب کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہو جاتا۔

غالبؔ وظیفہ خوار ہو، دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

تشریح: شاہی دربار سے وابستگی سے پہلے غالب کا گزارا، اجداد کی ملنے والی پنشن پر تھا۔ غالب کو اپنی قادر الکلامی اور فن شعر گوئی پر ناز تھا۔ مگر سلطان ہند بہادر شاہ ظفر نے ابراہیم ذوق کو اپنا استاد بنایا ہوا تھا لیکن پھر بہادر شاہ ظفر نے غالب پر توجہ فرمائی اور غلب کو بھی وظیفہ خوار بنا لیا۔ بادشاہ کی اس کرم نوازی پر غالب نے یہ مدحیہ اور دعائیہ شعر کہا۔ کہتے ہیں کہ کسمپرسی کے دن گزر چکے اب بادشاہ کو دعا دینی چاہیے جس کے وظیفہ خوار ہیں۔ اب وہ دن ختم ہو چکے ہیں جب میں بیروزگاری پر شکوہ شکایت کیا کرتا تھا اور شاہ کی توجہ کا متلاشی تھا۔

مشق (حمد نعت منقبت)

درجِ ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) حمد میں شاعر نے وہی خدا ہے کے لیے کیا کیا دلیلیں دی ہیں؟

جواب: حمد میں شاعر نے "وہی خدا ہے" کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، بلندی، شان و شوکت اور خلاقی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ دنیا کا سارا نظام اللہ ہی کے اختیار میں ہے، وہ بظاہر نظر نہیں آتا لیکن حقیقت میں ہر شے میں اس کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ وہی دن اور رات بنانے والا ہے اور وہی مشرق و مغرب کا خالق و مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے سے واقف ہے چاہے وہ ظاہر ہوں یا نہ ہوں، وہ نیتوں کا حال بھی بخوبی جانتا ہے، دنیا میں کسی کو

Prof.Mukhtar Ahmed

عزت و تکریم حاصل ہوتی ہے تو کسی کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ سب خدا ہی کے اختیار میں ہے اور سب اس کی حکمت اور قدرت کے فیصلے ہیں۔

(ب) حمد میں خانۂ لاشعور سے کیا مراد ہے؟

جواب: خانۂ لاشعور کا مطلب ہے وہ بات جو انسانی عقل سے ماورا ہو۔ حمد میں شاء اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس پوری کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ایک ایک واقعے پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہے وہ سب دیکھ اور سن رہا ہے یہاں تک کہ وہ ہماری نیتوں اور ہمارے دلوں کے حال سے بھی واقف ہے۔ یہ بات ہماری عقل و سمجھ سے باہر ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے دل و دماغ میں روشن رہتی ہے۔

(ج) حمد میں اختیارِ بشر پر پہرے بٹھانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: اختیار بشر پر پہرے بٹھانے سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ اپنی مرضی اور اختیار سے کرتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ کیوں کہ انسان کا کوئی عمل اللہ کی رضا و حکمت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(د) نعت میں ایمان مفصل اور ایمان مجمل سے کیا مراد ہے؟

جواب: ایمان مفصل سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ وہ خدا پر فرشتوں پر الہامی کتابوں پر رسولوں پر، آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔ نعت میں شاعر فرماتے ہیں کہ میرے لیے ایمان مفصل کا خلاصہ یعنی مجمل یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفی صل اللہ علیہ وسلم کی پیروی کروں کیوں کہ آپ کائنات کی عظیم ترین شخصیت ہیں۔ اور ان کی تقلید کرنے سے ایمان مفصل کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے۔

(ہ) نعت میں شاعر نے روزِ محشر کے لیے کیا تمنا کی ہے؟

جواب: شاعر نے نعت میں روز محشر کے لیے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس دن حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہوں اور ان کے ہاتھوں میں یہی نعتیہ قصیدہ ہو جسے وہ پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں۔

(و) شاعر نے نقاشِ ازل کی زباں میں کیا کہنا چاہا ہے؟

جواب: نقاشِ ازل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ ہے جس نے کائنات کی ہر شے کو تخلیق کیا ہے۔ نعت میں شاعر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا شخصیت کے حوالے سے فرمایا کہ تمام تخلیقات میں آپؐ کی ذات اوصاف و کمالات کے لحاظ سے سب سے افضل و اکمل ہے۔

(ز) سیرتِ صدیق میں "نقش و نگار مصطفی" نظر آنے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: سیرتِ صدیق میں "نقش و نگار مصطفی" نظر آنے سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت میں حضرت ﷺ کی سیرت و کردار کا عکس نظر آتا تھا کیوں کہ حضرت ابو بکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملے میں پوری تقلید کرتے تھے۔

(ح) منقبت میں عدالت کی میزان کسے اور کیوں کہا گیا ہے؟

جواب: منقبت میں عدالت کی میزان خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا ہے کیوں کہ حضرت عمر فاروق عدل و انصاف کے حوالے سے خاص شہرت

رکھتے ہیں۔

Prof.Mukhtar Ahmed

(ط) منقبت میں آئینے کے حیران ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حضرت عثمان غنی کا لقب ذوالنورین ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں آئیں۔ شاعر نے ذوالنورین کی رعایت سے بتایا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے نور کی چمک دیکھ کر آئندہ بھی حیران رہ گیا ہے۔

(ی) منقبت میں شاعر نے کس قول نبی کا ذکر کیا ہے؟

جواب: شاعر نے منقبت میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ سلم کے اس قول کا ذکر کیا ہے جو انوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص علی کا نہیں وہ میرا نہیں ہو سکتا۔

خلاصے اور مضامین (جماعت بارھویں جماعت)

زمین (خلاصہ)

حوالہ و تعارف: اس سبق کی مصنفہ خدیجہ مستور ہیں، جو ایک مشہور ناول نگار تھیں۔ ہمارے نصاب میں شامل سبق "زمین" خدیجہ مستور کے مشہور ناول "زمین" سے ماخوذ ہے۔ اس ناول کا ایک مختصر حصہ نصاب میں شامل ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

خلاصہ: ہماری بارہویں جماعت میں اردو کا سبق "زمین" جو خدیجہ مستور کے مشہور ناول زمین سے ماخوذ ہے۔ خدیجہ مستور کو اردو ادب میں خاص مقام حاصل ہے انھوں نے تحریک پاکستان + ہجرت اور مہاجرین کے مسائل کو دیکھا اور تحریر کیا تھے جن کے علاقہ سے ہے سبق میں ہجرت کے بعد مہاجر کیمپوں میں آباد بیمار باپ اور اس کی بیٹی کن مسائل اور مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ ساجدہ کے والد منشی رمضان صاحب جو اس وقت کیمپ میں مقیم تھے وہ کیمپ کے تمام حالات و واقعات سے اچھی طرح واقف تھے کتنے ہی خاندان آتے گئے اور مختلف علاقوں کی طرف جا چکے ہیں: یہاں سے جانے کی بات پر منشی رمضان کی آنکھوں میں الگ ہی چمک دکھائی دیتی تھی وہ اپنی بیٹی ساجدہ سے کہا کرتے تھے کہ ایک دن ہم بھی یہاں سے چلے جائیں گے۔ اپنے ابا کو کیمپ کی جانب آتے دیکھتی ہے صاف لگ رہا تھا کہ وہ علیل ہیں۔ تھکے ہوئے ہیں۔ ابّا ساجدہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آج کے گوشت کے سالن کی دیگ پک رہی ہے۔ لیکن ساجدہ کی توجہ والد کی بیماری کی جانب ہوتی ہے۔ لیکن ابّا کہتے ہیں ساجدہ برتن لے آؤ اور وہ اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں ساجدہ پلٹ کر دوڑی چلی آتی ہے۔ ایک ڈاکٹر کو بلانے جاتی ہے۔ کمپاؤنڈر ساجدہ کو بتاتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب واک کرنے نکلے ہوئے ہیں۔ اسے یاد آتا ہے خود ڈاکٹر صاحب نے انھیں اپنڈکس کا آپریشن کرنے کا بولا تھا۔ ڈاکٹر صاحب چہل قدمی کر کے آئیں تو مزید بات ہو۔ ساجدہ کمپاؤنڈر کو بول کر آتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو منشی رمضان کی طبیعت کا بتا کر ہمارے گھر بھیج دیجئے گا۔ ابا اپنی بیماری کو سنجیدہ نہیں لے رہے ہیں۔ جب وہ گھر کے قریب آتی ہے تو لوگوں کا رش دیکھ کر پریشان ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ساجدہ سے کہتے ہیں میں ڈیوٹی ٹائم میں ٹہلنے نکل گیا مجھے افسوس ہے۔ جلدی آجاتا تو منشی رمضان بچ جاتے۔ یہ سنتے ہیں ساجدہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کے حواس اس کے قابو میں نہیں رہے، کچھ دیر میں کھڑے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ کم ہوتے جاتے ہیں۔ اور کہتے جاتے کہ خدا کی رضا کو کون ٹال سکتا ہے۔ ساجدہ کی آنکھ کھلی تو دیکھا ابا کی میت کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ اور ارد گرد مختلف خواتین اونگھ رہی ہیں اور اس کے سامنے سپارے کھلے ہوئے ہیں۔ ابا کے چہرے سے چادر ہٹائی تو ساجدہ کو ان کا اداس چہرہ سوئے شخص کا لگ رہا تھا۔ جو یہ کہہ رہا ہو بیٹا میں نے زندگی کے حساب کتاب میں غلطی کر دی اب تم اکیلے کس کے سہارے رہو گی۔

خوش طبعی (خلاصہ)

حوالہ وتعارف: ہمارے نصاب میں شامل مضمون خوش طبعی مولانا محمد حسین آزاد کا تحریر کردہ ہے جو کہ ان کی مشہور زمانہ کتاب "نیرنگ خیال" سے ماخوذ ہے۔ مولانا آزاد کو اردو کا سب سے بڑا اہم نشاپرداز اور تمثیل نگار مانا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "نیرنگ خیال میں انگریزی مضامین کا اردو ترجمہ اپنے خاص اسلوب میں کیا ہے۔ اس مضمون خوش طبعی، میں انھوں نے تمثیلی انداز میں خوطبعی اور بہر دپیے (بھانڈ) کے درمیان فرق کی وضاحت کی ہے تمثیل میں مجسم کرداروں کو جسم بنا کر پیش کیا جاتا ہے مضمون بھی آزاد کی تمثیل نگاری کا

Prof.Mukhtar Ahmed

بہترین نمونہ ہے۔ آزاد نے اس مضمون میں استعارے اور کنائے کے ذریعے خوش طبع کو ایک کردار کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے ساتھ دیگر انسانی کیفیات اور مزاج کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔

خلاصہ: آزاد کے مطابق "سچ" خاندان کا بانی تھا جبکہ "حسنِ ادب" اس خاندان کا ایک معقول شخص تھا جس کے بیٹے کا نام "حسنِ بیان" تھا۔ حسنِ بیان نے اپنے برابر کے خاندان میں "خندہ جبیں" سے شادی کی جس کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ بکھری رہتی تھی ان کے ہاں "خوش طبع" پیدا ہوئے۔ "خوش طبع" میں خاندان کے تمام ہی افراد کی خصوصیات موجود تھیں کبھی وہ انتہائی سنجیدہ اور معقول ہوا تو کبھی رنگین اور بانکا بھی کبھی وہ شیخ الاسلام دکھتا تو کبھی مسخرہ بن جاتا کہ بھانڈوں کو بھی مات دے دے۔ اپنی ماں "خندہ جبیں" کا اثر لیے جس محفل میں جاتا لوگوں کو مسکرانے پر مجبور کر دیتا مگر اس کے ہمسائے میں ایک دھوکے باز نے بھی اپنا نام خوش طبع رکھ لیا تھا اور لوگ اسے بھی اصل "خوش طبع" کا ساتھی سمجھنے لگے تھے۔ ایسے جعلی شخص کو دیکھیں تو اندازہ لگائیں کہ اس کے خاندان کا تعلق "سچ" قبیلے یا حسنِ ادب سے ہے یا نہیں۔ جس "خوش طبع" میں "کی اور "ادب" شامل نہ ہو اسے بہروپیا بھانڈ مانیں۔ نقلی "خوش طبع" شخص کی بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ محفل میں بیٹھتا ہے تو چار سو اس کے قہقہے سنائی دیتے ہیں۔ مگر محفل میں موجود سنجیدہ متعین اور معقول لوگ اس سے دوری اختیار کیے رہتے ہیں۔ کیونکہ نقلی "خوش طبع" شخص کی باتوں سے خوش بیانی، خندہ جبینی اور اصلی ظرافت کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے مقابلے میں اصل "خوش طبع"، شخص محفل میں ہو تو کمال سنجیدگی کے باوجود بھی اس کے اطراف میں بیٹھے تمام افراد اس کی باتوں سے محفوظ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

بہروپیا در حقیقت سچ نہیں جھوٹ کی اولاد سے ہے۔ جھوٹ کا بیٹا "زٹل" اور "زٹل" کا بیٹا "سڑی مستان"۔ اسی طرح حماقت ایک پھوہڑ عورت تھی اور اس کی بیٹی "مسخرن دوانی"، جس سے "سڑی مستان" نے شادی کی۔ ان کی اولاد بہروپیا اور بھانڈ، مسخرا ٹھہرا جو خود کو خوش طبع سمجھا اور کچھ نہ کچھ لوگ بھی اس کے خاندان سے ناواقفیت کی بنا پر اسے "خوش طبع" سمجھ لیتے۔

اصل "خوش طبعی" یا ظرافت اصلی اور نقلی میں فرق کو بندر اور انسان کے درمیان فرق سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ بہروپیے میں جھوٹ موٹ کی دغابازیاں اور نقلیں اتارنے کی عادت ہوتی ہے۔ منٹوں میں کسی کو بادشاہ بنا دے تو منٹوں میں ذلیل و خوار کر دے۔ کبھی نافہم اور بدعقل خبر دے تو کبھی سمجھ دار اور دانا بنا دے۔ کبھی دولت و نعمت کے قصے سنائے تو کبھی کنگال اور فقیر ظاہر کرے۔ در حقیقت وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق جھوٹ کے خاندان سے ہے اور "جھوٹ" ہمیشہ اس کے پیٹ میں بھرا رہتا ہے۔ بہروپیے، بھانڈ یا نقلی خوش طبع شخص کی سب سے بڑی پہچان یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مددگار کو بھی نہیں بخشتا وہ اپنے دوستوں اور دشمن، دونوں کے لیے برابر ذلت کا باعث رہتا ہے اس کا کام صرف ٹھٹے مارتا ہے۔ کبھی بھی کہیں بھی جس طرح بھی ممکن ہو وہ اپنے دوست اور دشمن دونوں پر کیچڑ اچھال کر خوش ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ عقل سے محروم ہونے کی وجہ سے کسی اچھے اور معقول شخص کی نصیحت پر بھی کان نہیں دھرتا۔ کیوں کہ اس کے پاس ہنسی مذاق کے سوا کچھ نہیں لہٰذا ہر شخص پر فوقیت کی ہوس رکھتا ہے اس لیے اس کا مذاق ہمیشہ ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے وہ کس کام پر نہیں بلکہ کام کرنے والے کا مذاق اڑاتا ہے۔ لہٰذا تمام لوگوں کو چاہیے کہ اصلی اور نقلی خوش طبعی کے فرق کو پہچان کر ہمیشہ اپنے احباب میں اصل "خوش طبع" لوگوں کو شامل رکھیں۔ اور جعلی بھانڈ اور بہروپیوں سے خود کو محفوظ رکھیں۔

قحط الرجال (خلاصہ)

حوالہ و تعارف: مختار مسعود کی مشہور تصنیف "آوازِ دوست" میں دو مضامین مینارِ پاکستان اور قحط الرجال" کے نام سے ہیں۔ اس کے دوسرے مضمون "قحط الرجال" کا ایک مختصر حصہ نصاب میں شامل ہے۔ اس مضمون میں مختار مسعود نے ایسے قابلِ تقلید اور اعلیٰ صفات کی حامل شخصیات کو موضوع بنایا ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے اپنی انفرادیت رکھتی ہیں۔

خلاصہ: مختار مسعود کہتے ہیں کہ جب کسی علاقے میں قحط پڑتا ہے تو ہر طرف موت اپنا رقص کرتی دکھائی دیتی ہے۔ جب کہ کسی معاشرے میں اگر قحط الرجال یعنی اچھے لوگوں کی کمی واقع ہو جائے تو وہاں موت پر نہیں بلکہ زندگی پر ماتم کیا جانا چاہیے کیوں کہ اچھے انسانوں کے بغیر زندگی موت سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ مرگِ انبوہ ایک ایسی سے بھی کیفیت ہے جہاں

Prof.Mukhtar Ahmed

انسان دوسرے لوگوں میں بھی بیماری یا پریشانی دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یعنی دوسروں کو پریشان دیکھ کر ایک طرح کی خوشی میسر آنے لگے تو سمجھیں معاشرے میں زندگی یا انسانیت بالکل دم توڑ چکی ہے۔ جبکہ معاشرے میں اگر بے کار زندگی پر ماتم کرنے والے لوگ موجود ہوں تو سمجھ جانا چاہیے کہ لوگوں میں انسانیت باقی ہے، اور صرف اچھے لوگوں کی کمی ہے اور معاشرے میں لوگوں کو اس بات کا ادراک ہے۔ قحط میں موت کو بلاجواز زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہوتی بھوک میں وہ چار سو خود ہی رقصاں نظر آتی ہے۔ جبکہ اچھے لوگوں کی کی زندگی کو بتابد نما کر دیتی ہے جیسے زندگی خود ایک تہمت ہو۔ قحط میں جہاں ہر طرف حشر کا سماں برپا ہوتا ہے۔ تو وہیں قحط الرجال یا اچھے لوگوں کی کمی میں انسان کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے گویا کہ موت اس ذلت آمیز زندگی سے کہیں بہتر ہو جاتی ہے۔ وہ لوگ جو اس دنیا میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے قحط سے زیادہ ایسا معاشرہ مہلک ہوتا ہے جہاں اچھے انسان سرے سے ناپید ہوں۔ مصنف لکھتے ہیں کہ پانچویں جماعت میں ان کے والد نے ان سے کہا کہ ایک چینی مسلمان علم گھر پر مہمان آرہے ہیں آپ ان ملیں اور آٹو گراف حاصل مصنف لکھتے ہیں کہ پانچویں جماعت میں ان کے والد نے ان سے کہا کہ ایک چینی مسلمان عالم گھر پر مہمان آرہے ہیں آپ ان میں اور آٹو گراف حاصل کریں۔ مصنف نے پہلے کبھی آٹو گراف نہیں لیا تھا، لہذا بازار سے جا کر چھے آنے کی آٹو گراف بک خریدی اور مہمان کے آنے پر آٹو گراف کے لیے ان کے سامنے پیش کر دی۔ مہمان نے مسکرا کر دیکھا اور چینی زبان میں تین سطور انگریزی ترجمے کے ساتھ تحریر کیں اور دستخط کے ساتھ آٹو گراف بک مجھے واپس کر دی۔ جس طرح ہر روشن چیز کے قریب جانے سے آپ خود بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

مصنف کو بھی مہمان کے ساتھ گزارے لمحات میں ایسا ہی محسوس ہوا۔ چینی زبان میں الفاظ جس طرح اوپر سے نیچے کی جانب لکھے جاتے ہیں اسے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ خدا کی باتیں اور الہام بھی اسی طرح اوپر سے نیچے کی جانب اُتارا جاتا ہے۔ چینی مہمان جب روانہ ہوئے تو ان کے آٹو گراف ہی آٹو بک تو سوچ کس اور ملاقات کی بدولت مجھ میں بھی اچھے لوگوں کو ڈھونڈنے اور ان سے آٹو گراف لینے کی خواہش ہوئی مگر جوں ہی آٹو گراف کا اگلا صفحہ پلٹا تو سوچ میں پڑ گیا کہ اب کس کے آٹو گراف لیے جائیں۔ اس سلسلے میں والد سے مدد چاہی تو انھوں نے کہا کہ آٹو گراف بک ہو یا زندگی کے لمحات کبھی بھی انھیں بیکار ضائع مت کرو۔ بڑے آدمی ڈھونڈنے سے کم اور کتابوں میں زیادہ ملیں گے۔ لہذا کارلائل، پلوٹارک، سعدیؒ، سیموئیل سمائل سب مفکرین سے استفادہ کرو۔ کم عمری کی وجہ سے میری پہلی منزل یہ عظیم مفکرین نہیں بلکہ بچوں کی کہانیوں کی کتابیں ہی تھی جہاں سے میں نے اچھے لوگوں کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ اسکول کی تقریب تقسیم انعامات میں ایک کہانی بہادر لڑکا میرے حصے میں آئی یہ ایک ولندیزی بچے کی کہانی تھی جو سردیوں کی شام میں سمندری پشتے پر جا رہا تھا تو اس کی نظر ایک چھوٹے سے شگاف پر پڑی جتنی دیر میں وہ بستی کے بڑے لوگوں کو بلاتا شگاف بڑھ کر پوری بستی کو بہالے جاتا۔ اس لیے وہ معصوم وہیں شگاف پر ہاتھ رکھے بیٹھ گیا سخت سردی میں اس کا جسم اکڑ کر موت کا شکار ہو گیا۔ مگر اس کے ننھے ہاتھ پشتے کے چھوٹے سوراخ سے نہیں ہٹے۔ اس جرأت اور قربانی کی داستان نے مصنف کو عظیم لوگوں کو پہچاننے میں بہت مدد کی کافی سال گزرنے کے باوجود بھی مصنف عظیم لوگوں کی تلاش میں آٹو گراف بک لیے پھرتے رہے مگر اس آٹو گراف بک کے آدھے سے زائد صفحات ابھی بھی خالی تھے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مصنف ایک واقعے کا ذکر کرتے ہیں کہ شیخ یوسف سبریلی جو ابن عربی کے مرشد تھے ان کے پاس ایک سیاہ بلّی تھی شیخ صاحب کی صحبت میں یہ بلّی بھی لوگوں کی اصل پہچاننے کے قابل ہو چکی تھی یہ بے ہنر لوگوں سے نفرت اور بے غرض لوگوں سے الفت کرنے لگی تھی شیخ صاحب کی صحبت میں کوئی اللہ والے آتے تو یہ ادب سے بیٹھی رہتی اور جب کوئی بدذوق آتا تو یہ وہاں سے اُٹھ کر چلی جاتی۔ مصنف کی بھی خواہش ہے کہ ان کے دل میں اس بلّی جیسی خاصیت پیدا ہو جائے۔ اب جب بھی اپنے آٹو گراف البم کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو اپنے دل میں جھانکتے ہیں۔ اگر دل کی بلّی اُٹھ کر چلی گئی تو آٹو گراف کو جیب سے نہیں نکالتے بلکہ کسی اور شخصیت کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ اس مضمون میں ایک بنیادی نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ معاشرے میں ہر زمانے میں کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں جو اعلیٰ صفات اور خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں اگر اُن کی صحبت اختیار کی جائے یا تقلید کی جائے تو نہ صرف اپنی شخصیت بھی خوبیوں کا مجموعہ بن جائے گی بلکہ زندگی میں کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی (خلاصہ)

حوالہ و تعارف: نصاب میں شامل مزاحیہ مضمون "سویرے جو کل آنکھ میری کھلی" پطرس بخاری کی تخلیق ہے جو پطرس بخاری کی شہرہ آفاق تصنیف "پطرس کے مضامین" سے ماخوذ ہے۔ آپ اعلیٰ پائے کی علمی و ادبی شخصیت تھے۔ پطرس کا اصل نام "احمد شاہ" تھا۔ انھوں نے انگریزی اور عربی ادب میں اور کیا۔ اُردو میں مزاح نگاری کی بنیاد رکھنے والوں میں انھیں اہم مقام حاصل ہے۔ انھوں نے مغربی مزاح نگاری سے بھرپور استفادہ کیا لیکن ان کی تخلیقات کا پس منظر مشرقی ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

خلاصہ: پطرس بخاری نے اس مضمون میں زمانہ طالب علمی میں طلبہ کی نفسیات اور ان کے رجحانات پر اپنی ذات کو ہدفِ تنقید بنا کر لفظی گولہ باری کی ہے۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ امتحانات قریب آئے تو میں نے اپنے پڑوسی لالا کرپا شنکر جی سے درخواست کی کہ آپ صبح جلدی اُٹھ جاتے ہیں لہذا انہیں بھی صبح جگا دیا کریں تا کہ امتحانات کی تیاری بخوبی کی جا سکے۔ لالا جی تو جیسے کسی بدلے کے انتظار میں تھے۔ انھوں نے اگلی صبح تین بجے ہی میرے دروازے پر ایسے مکے بازی شروع کر دی کہ گھر کے در و دیوار کے ساتھ ساتھ میری روح بھی کانپ اُٹھی اور مکے بازی تھی کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تیزی آتی جا رہی تھی جس طرح لالا جی سوتے کو جگا رہے تھے۔ اس طرح تو حضرت عیسی بھی مُردوں کو نہیں اُٹھاتے ہوں گے۔ بالآخر میں نے کچھ گھبراہٹ اور کچھ غصے میں جلد بازی میں لیمپ جلایا، لالا کو روشنی نظر آئی تو طوفان تھم گیا۔ میں نے کھڑکی سے جب ستاروں کو دیکھا تو اوسان خطا ہو گئے۔ بزرگوں سے صبحِ کاذب کی جتنی بھی نشانیاں سنی تھیں کوئی ایک بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ پہلے سوچا شاید سورج گرہن ہے، پھر پڑوسی سے استفسار کیا لالا جی کیا بات ہے اندھیرا سا کیوں ہے؟ جس پر ان کا جواب آیا کہ کیا تین ہی تمھارے لیے سورج نکل آئے؟ یہ سن کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور میں لالا جی پر چڑھ دوڑا۔۔۔ کہنے لگا یہ کہا تھا کہ صبح جلدی اُٹھا دینا اس کا مطلب تھوڑا ہی تھا کہ سرے سے سونے ہی نہ دیا۔ مجھے کیا ریلوے گارڈ سمجھ رکھا ہے۔ جی چاہا کہ لالا کی بدتمیزی کا بدلہ لیا جائے مگر پھر سوچا کہ بنی نوع انسان کی اصلاح کا ٹھیکہ تھوڑی لے رکھا ہے۔ لہذا لیمپ بجھایا اور بڑبڑاتے ہوئے پھر سو گیا۔ پھر معمول کے مطابق دس بجے اٹھے بارہ بجے تک منہ ہاتھ دھویا اور چار بجے چائے پی کر ٹھنڈی سڑک کی سیر کو نکل گئے۔ شام کو جب ہوسٹل میں واپس ہوئے تو موسم کی دل فریبی اور جوشِ جوانی میں گنگنانے لگے کہ اتنے میں پڑوسی کی آواز آئی کیا آپ گا رہے ہیں!!؟ میں نے مسکراتے ہوئے ہامی بھری تو انھوں نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی آواز سے ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ یہ بات سنتے ہی ہمارے اندر موسیقیت کی روح فوراً مر گئی۔ دل نے کہا کہ خطاکار انسان دیکھ خدا کے بندے اس طرح پڑھتے ہیں لہذا اس رات خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی کہ اب باقاعدہ مطالعہ شروع کرنے میں ہماری مدد کر اور ہمیں ہمت دے۔ دل کو مضبوط کیا اور میز کے سامنے آ بیٹھے آستینیں چڑھا لیں۔ دانت بھینچ لیے نکٹائی کھول دی لیکن لیکن کچھ سمجھ نہیں آیا پڑھنا کیا ہے؟ میز پر مختلف رنگوں کی کتابوں کا انبار تھا۔ فیصلہ کیا کہ آج کتابوں کو ترتیب سے لگا لیں۔ مطالعے کا صحیح وقت تو صبح ہی ہے اور صبح جلدی اٹھتا ہے لہذا جلدی سو جانا چاہیے۔ احتیاطاً پھر سوچا کہ لالا جی سے صبح چھے بجے اٹھائے کا کہہ دیں لالا جی پہلے تو ناراض تھے مگر پھر چھے بجے اٹھانے پر راضی ہو گئے۔

اگلی صبح وعدے کے مطابق لالہ جی نے پھر صبح چھے بجے دروازے پر مکوں کی بارش شروع کر دی۔ جلدی سے اٹھ کر لالا جی کا شکر ادا کیا اس کے بعد یاد ہی نہیں کہ صبح دس بجے تک ہم پڑھتے رہے یا سوتے رہے لیکن چوں کہ یہ نفسیات کا مسئلہ تھا سو انہی کے لیے چھوڑ دیا، کچھ اپنا قصور بھی محسوس ہوا تو شام تک خود کو لعنت ملامت کرتے رہے۔ اور اس خیال سے کہ لالا جی کی دل شکنی نہ ہو ان سے ذکر نہ کیا بلکہ ہنس کر باتیں کیں کہنے لگے آپ کا شکریہ کہ آپ نے صبح کے موسم سے لطف اندوز ہونے کو موقع فراہم کیا ورنہ آج بھی دس بجے سے پہلے نہ اٹھتا۔ خدا کی قسم صبح کے وقت جو پڑھو فوراً یاد ہو جاتا ہے خدا نے صبح بھی کیا شاندار چیز بنائی ہے۔ اگر یہ صبح صبح کی جگہ شام ہوتی دن کتنی بری طرح کٹتا۔ لالا جی میری باتوں سے متاثر ہو کر کہنے لگے تو کیا روز صبح چھے بجے جگا دیا کروں؟ جواب دیا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ پھر شام کو ہی مطالعہ کے لیے دو کتابوں کا انتخاب کیا، کرسی کو چارپائی کے قریب کر لیا اور گلوبند کو کرسی کی پشت پر ڈال دیا تا کہ صبح اٹھ کر پڑھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہ کرنا پڑے۔ صبح لالا جی کی پہلی دستک کے ساتھ آنکھ کھلی۔ نہایت خوش دلی کے ساتھ ساتھ انہیں گڈ مارننگ کہا۔ بیدار ہونے کے انداز سے کھانسا، لالا جی مطمئن ہو کر چلے کے کی گئے۔ اپنی ہمت اور عزم کو داد دی کہ صبح اٹھنا تو محض معمولی بات ہے، ہم تو بلاوجہ ڈرتے تھے پھر سوچا کہ اگر سستی اور کاہلی کو قریب نہ آنے دیں تو ان کی کیا مجال کہ ہمارے معمولات زندگی میں داخل ہو کر ہمیں متاثر کریں۔

Prof. Mukhtar Ahmed

چاند اور تارے (نظم)

حوالہ و تعارف: علامہ اقبال کو اُردو کا سب سے بڑا قومی اور ملّی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا کلام مسلمانوں کے تاریک ترین دور میں ایک مژدہ جاں بخش تھا۔ جسے انھوں نے نئے نئے موضوعات سے مالا مال کر کے ہمہ گیری عطا کی۔ ابتدائی دور کی شاعری میں وطن پرستی کا جذبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس زمانے کی نظموں میں ہمالہ صدائے درد، تصویر درد، ترانہ ھندی، نیا شوالہ، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت وغیرہ نمایاں ہیں۔ ان میں وطن اور قوم سے متعلق جذبات زیادہ

ملتے ہیں۔ بعد میں ان کے خیالات میں انقلاب آیا اور وہ قومیت کی بنیاد وطن کے بجائے مذہب کو سمجھنے لگے اور اسلام کے بتائے ہوئے نظریہ ملت کو اپنا معیار بنا کر تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا

مرکزی خیال: چاند اور تارے علامہ اقبال کی ایک اہم نظم ہے جس میں انھوں نے رمز و کنایہ کے پردے میں فلسفہ کر زندگی بیان کیا ہے، جس کا بنیادی نکتہ ہے ہے کہ زندگی سراپا عمل ہے اور جدوجہد کا نام ہے۔ عمل پیہم اور سعی مسلسل ہی زندگی اور کامیابی کے لوازمات ہیں۔ حرکت زندگی کی علامت ہے اور آرام موت ہے۔ جو تو میں مسلسل مصروف عمل رہتی ہیں وہ ترقی کرتی ہیں اور دنیا پر ان کی حکومت ہوتی ہے۔ اور جو تو میں بے عمل ہیں، جمود کا شکار ہیں وہ فنا ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی قوم جدوجہد اور عمل سے بیگانہ ہو جاتی ہے، ان کی عظمت وبلندی پر زوال آجاتا ہے اور وہ دوسری قوموں کی غلام بن جاتی ہے۔ اور بیاس لیے ہوتا ہے کہ سلسل بے عملی اور سکون کسی بھی قوم کی اجتماعی احساس ذمہ داری کو ختم کر دیتا ہے، ہماری صلاحیتیں اور کمالات فنا ہونے لگتے ہیں اور ہر فرد اپنی انفرادی بقا کی سلامتی کے لیے اجتماعی قومی مفاد قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ قومی اتفاق واتحاد ہی قومی سلامتی کا ضامن ہے

"حضرت فاطمہ الزہراؓ کی رخصتی" (نظم)

حوالہ وتعارف: یہ نظم حفیظ جالندھری کی نظم "حضرت فاطمہ الزہراؓ کی رخصتی" سے لیا گیا ہے یہ نظم ان کی شہرہ آفاق نظم "شاہنامہ اسلام" سے ماخوذ ہے۔ حفیظ جالندھری اُردو کے اہم شعرا میں شامل ہیں جو بیک وقت غزل نظم اور گیت میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ حفیظ کی ایک وجہ شہرت پاکستان کا قومی ترانہ بھی ہے۔

مرکزی خیال: اس نظم میں دراصل شاعر حضرت فاطمہ الزہراؓ کی رخصتی کا منظر پیش کر کے مسلم خواتین کو درس دیا ہے کہ وہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی تقلید کریں اور جہیز کے سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا آپ ؐان کی عزیز ترین صاحب زادی تھیں۔ ان کی شادی کے موقع پر آپ کے چاہتے تو دنیا جہان کی اشیا نہیں دے سکتے تھے لیکن انھوں نے سادہ اور مختصر جہیز دے کر اپنی اُمّت کو سادگی اور اعتدال کا سبق دیا ہے۔ یہ سادگی اور اعتدال صرف شادی بیاہ کے مواقعوں یا جہیز کے لیے نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے اور ہر عمل کے لیے ہے۔ اگر ہم سب حضور اکرمؐ کے دیے گئے سادگی کے سبق کو سمجھیں اور اسے اپنی زندگی میں شامل کرلیں تو معاشرے سے کافی برائیوں کا خاتمہ ہو جائے۔

نظم کا خلاصہ: رسول اکرمؐ کی عزیز ترین حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی تو آپ اپنی رخصتی کے وقت دنیاوی آسائشوں کی بجائے شرم وحیا کی چادر اپنے سر پر اوڑھی ہوئی تھی اور صبر کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھیں۔ آپ سخاوت کا پیکر تھیں اور کیوں نہ ہوتیں، ر آپ کو جن کی خواتین کا سردار بھی ہونا تھا ان کی تربیت حضرت محمدؐ کے ہاتھوں سے ہوئی اس لیے ان کی طبیعت میں سعادت مندی اور برکتیں بھی شامل ہوئیں اُنھی کی مقدس گود سے شہادت کا در یا اُبلنا تھا۔ رسول کریم صل اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوئی تھی، ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا لیکن آپ ﷺ کی سیرت و کردار جیسی اعلی شخصی خصوصیات وراثت میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالی عنہا کو ملیں کیوں صرف وہی اس امانت کو حاصل کرنے والی اصل حق دار تھیں۔ جب آپ اپنے والد ماجد کے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر یعنی سرال آئیں تو آپ کے ساتھ نہایت سادہ جہیز تھا، اس میں کھجور کے کُھرے بان کی ایک چارپائی، ایک پانی بھرنے کی مشک، دو چکیاں ہٹی کے دو گھڑے اور ایک چمڑے کا گدا تھا۔ یہ مختصر سامان جہیز کی صورت میں اس عظیم خاتون کو ملا جو جنت میں کوثر وتسنیم کی مالک تھیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ نے انھیں صبر ورضا کے ساتھ ہمیشہ شکر ادا کرنے والی صفات سے نوازا تھا۔

Prof. Mukhtar Ahmed

مضامین

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت (مضمون)

دنیا میں جتنے بھی رسول اور نبی تشریف لائے ہیں ہم ان سب کو سچا مانتے ہیں اور ان پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارے فریضہ اور عقیدہ میں داخل ہے۔ مگر اس ایمانی اشتراک کے باوجود بھی ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی نمایاں خصوصیات اور کچھ جداگانہ کمالات وفضائل ہیں جن کو تسلیم کے بغیر ہر گز کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء ورُسل علیہم السلام تشریف لائے ہیں تو ان سب کی دعوت کسی خاص خاندان اور کسی خاص قوم سے مخصوص رہی۔ یہی وجہ تھی کہ ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی قوم سے باہر نظر نہیں ڈالی لیکن جب رحمت خداوندی کی وہ عالمگیر گھٹا جو فاران کی چوٹیوں سے اٹھی تھی اور قیامت تک کی پوری نسل انسانی کے لیے رحمت اللعالمین بن کر نمودار ہوئی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد نے سرزمین عرب کو ایسا اعزاز بخشا جو کسی اور سرزمین کو نصیب نہ ہوا۔

آپ کا وجود مقدس روحانیت کے تمام اصناف کی ایک خوشنما کائنات، اخلاق حسنہ کی ایک دلاویز جاذبیت اور رنگ برنگ گل ہائے اخلاق کا ایک پورا چمنستان تھا۔ امتِ مرحومہ کے لیے حضرت نوحؑ کی دلسوزی، حضرت ابراہیمؑ کی خلّت، حضرت ایوبؑ کا صبر، حضرت داؤدؑ کی مناجات، حضرت موسیٰؑ کی جرأت، حضرت ہارونؑ کا تحمل، حضرت سلیمانؑ کی سلطنت، حضرت یعقوبؑ کی آزمائش، حضرت یوسفؑ کی عفت، حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کی تقرب الٰہی کے لیے گریہ وزاری، اور حضرت مسیحؑ کا توکل یہ تمام منتشر اوصاف آپ کے وجود مسعود میں سمٹ کر جمع اور یکجا ہو چکے تھے۔

فرض کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمونہ اور اسوہ تھی مگر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلی وارفع زندگی تمام اوصاف واضاف میں ایک جامع زندگی ہے۔ آپؐ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوہ حسنہ ایک کامل ضابطہ حیات اور دستور ہے۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کی اور نظام و قانون کی ضرورت ہی محسوس ہو سکتی ہے۔

اگر آپ بادشاہ اور سربراہ مملکت ہیں تو شاہ عرب اور فرمانروائے عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے۔ اگر آپ فقیر محتاج ہیں تو کملی والے ﷺ کی زندگی آپ کے لیے اسوہ ہے۔ اگر آپ سپہ سالار اور فاتح ملک ہیں تو بدر و حنین کے سپہ سالار اور فاتح مکہ کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین سبق ہے جس نے عضوو کرم کے دریا بہا دیئے

تھے اور تمام مجرموں کو آن واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔ اگر آپ قیدی ہیں تو شعب ابی طالب کے زندانی کی حیات آپ کے لیے درسِ عبرت ہے۔ اگر آپ تارک دنیا ہیں تو غارِ حرا کے گوشۂ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابلِ تقلید عمل ہے۔ اگر آپ چرواہے ہیں تو آپ کو اہل مکہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکین قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے جگر گوشے کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ ماں باپ کے اکیلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون وتناصر سے محروم ہیں تو حضرت عبد اللہؓ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر صبر کر سکتے ہیں۔ اگر آپ باپ ہیں تو

Prof.Mukhtar Ahmed

حضرت زینبؓ، رقیہؓ، امِ کلثومؓ، قاسمؓ اور ابراہیمؓ (وغیرہ) کے تخلیق ومہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہوسکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار میں آپ کو دیانت دارانہ سعی کرتے

ہوئے معائنہ کرسکتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی قابل قدر اور مستحق توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصوم اور قابل اقتداء زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اسوہ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

شاعری کے مطالعے سے زندگی کا شعور ملتا ہے (مضمون)

اُردو زبان کے فروغ میں مشاعروں کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ مشاعرے سے عام طور شعری محفل کا تصور ابھرتا ہے جو بہت حد تک صحیح بھی ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کی تہذیبی اور معاشرتی سیاق وسباق بھی ہیں۔ ان مشاعروں نے تہذیبی اور ثقافت روابط کو احکام بخشنے اور لوگو کو آپس میں ملنے جلنے کا ایک خوبصورت موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ ان کے نانا کا یہ زمانہ ہے جب موی سل پر تفریکی مال کا کوئی تصور نہیں تھا صف مکران اور ٹومین کو یہ واقع میسر تھے۔ ان مشاعروں نے نہ صرف زبان وادب کے دائرے کو ہی وسیع کیا۔ بلکہ ادب اور حوا کے درمیان پل کا کام بھی کیا۔ اس طرح ادب کا رشتہ سماج سے استوار ہونا شروع ہوا۔ مشاعروں سے عوام کی دلچسپی کا سب یہ ھا کہ نہ صرف اپنی تفریح تلفن کا ذریعہ تھے بلک عوامی جذبات کے بھی نمائندہ مجھے جاتے تھے، کیونکہ اصناف ادب میں شاعری سب سے زیادہ رنباشی اور حرآفرینی رکھتی ہے۔ ہی لیے عوام کو شعر وشاعری سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور مشاعروں نے ہمیشہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا ہے۔ شاعری میں جس طرح جذبات واحساسات کی ترجمانی ممکن ہے وہ نٹ میں نہیں ہوسکتی۔ اکثر اشعار اس طرح جذبات وکیفیات کی عکاسی کرتے ہیں کہ سننے والا اپنے دل کی دھڑکنوں کو محسوس کرتا ہے۔ شاعری کی یہ کرشمہ سازی ایک طرف خود شاعری کو آفاقیت بخشتی ہے تو دوسری جانب عوام کو ادب سے قریب ترلانے کی بھی کوشش کرتی ہے۔

شاعری سے معاشرے میں شائستہ روی آتی ہے۔ بالخصوص اردو شاعری کا معاشرہ مہذب وسنجیدہ ہوتا ہے اس میں خوش اخلاقی پائی جاتی ہے لہذا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ شاعری سے تبلیغ واصلاح ممکن ہے یوں تو دامن اردو متعدد اصناف سخن سے بھرا پڑا ہے مگر غزل کی حیثیت ممتاز ومنفرد ہے۔ آج کی جدید اردو شاعری میں ہر طرح کے خیالات پیش کیے جارہے ہیں۔ ہر طرح کے خیالات کی پیش کش کا مطلب ہے کہ ہر طرح کے موضوع پر بات ہورہی ہے۔ اردو شاعری ہمارے شب وروز کے معمولات پر اس طرح اثر انداز ہے کہ دوسری زبان والے بھی اردو کے اشعار کو یاد رکھنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اردو شاعری ہماری تفریح کا سامان پیش بہاہے۔ یہ اس زمانے سے تفریح طبع کے کام آرہی ہے جب اس کے لیے کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ آج کے سائنسی اور مشینی عہد میں مصروفیت کی نوعیت بدل گئی ہے۔ اس لیے تفریح کے بھی طریقے بدل گئے ہیں لیکن اس عہد میں بھی شگفتہ شعر سنے سے ذہنی آسودگی حاصل ہوتی ہے اور ہم تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی وقت کے عذاب سے چھٹکارا پا جاتے ہیں اور خود کو لطف اندوز ہوتا محسوس کرتے ہیں۔

Prof. Mukhtar Ahmed

شاعری جو فنون لطیفہ کی اعلیٰ ترین قسم ہے، زندگی سے نسبتاً زیادہ مسلک رہی ہے۔ وہ یوں کہ زندگی احساس کا نام ہے اور شعر و ادب احساس کی ترجمانی ہے اور یہ بات دھونی کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں اردو کے اشعار جس قدر کوڈ کیے جاتے ہیں کسی اور زبان کے اشعار کو یہ اعزاز حاصل نہیں تحریر و تقریر در عام بول چال میں اتنے اشعار کسی دوسری زبان میں مستعمل نہیں۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کے مختلف مراحل میں شاعری شانہ بہ شانہ کھڑی نظر آتی ہے۔ حوصلہ دینے کے لیے گھبرانے سے بچانے کے لیے اردو اشعار ہتھیار کا کام کرتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی اگر اردو شاعری کے جسم میں روح پھونکتی ہے تو اردو شاعری بھی زندگی کی رگوں میں خون دوڑانے کا سبب بنتی ہے۔ اردو شاعری روحانی غذا ہے۔ یہ انسان کو زندگی کا احساس دلاتی ہے۔ اسے اپنے آپ سے روشناس کراتی ہے۔ اردو شاعری حیات انگیز شاعری ہے۔ تلفظ کی درست ادائیگی کے لیے قواعد کا مسئل سلجھانے کے لیے، دوران گفتگو اردو اشعار کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

میری پسندیدہ شخصیت "ٹیپو سلطان" (مضمون)

ٹیپو سلطان 1751ء میں پیدا ہوئے۔ شیر میسور کہلائے۔ فتح علی صاحب ٹیپو سلطان نام تھا۔ والد حیدر علی ایک سپہ سالار جنگجو حکمران تھے

ٹیپو سلطان کا قول ہے:- گیڈر کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔

انگریزوں کے بڑھتے اثر کو حیدر علی نے بیان لیا۔ میسور کی پہلی جنگ میں حیدر علی نے نظام اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔ لیکن آگے چل کر انھوں نے انگریزوں سے ساز باز کرلی نظام جلد ہی اپنے وعدے سے پھر گئے۔ انگریزوں کی فوج نے غداروں سے مل کر بندر گاہ پر قبضہ کر لیا۔ حیدر علی نے اپنی بحری طاقت فرانسیسی افسر کے ماتحت تربیت کے بعد حملہ کیا۔ حیدر علی نے بیٹے ٹیپو سلطان کے بھی انگریزی افواج پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں کی افواج خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی۔ بندر گاہ واپس ٹیپو سلطان کے قبضے میں آ گیا تامل ناڈو کے دارالحکومت مدراس سے انگریزوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔ اس کے والد حیدر علی نے کہا میں اس کا جواب میسور پہنچ دیتا ہوں وہ اپنی افواج لے کر مدراس پہنچ گیا۔ انگریز بوکھلا گئے۔ انگریزوں نے اب ٹیپو سلطان اور اس کے والد سے صلح کرلی۔ انگریزوں نے مرہٹوں کو کہا کہ تم ٹیپو سلطان کی حکومت کو کمزور کرو۔ ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔ انگریزوں نے صلح نامے پر دستخط کے لیے خود اس پر بعد میں عمل نہ کیا۔

انگریزوں کو صلح کر کے پھر جانے کی سزا دینے کے لئے ایک بار پر ٹیپو سلطان اور حیدر علی کی جنگ شروع ہوئی۔ گئی۔ کرناٹک پر حملہ آور ہو کر مدراس کے قریب پہنچ کر کنٹرول کر لیا- ٹیپو سلطان انے کرنل بیلی کی فوج کو گولہ باری کر کے تباہ برباد کر دیا۔ انگریزی افواج سمجھے ہٹ کر اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہوگئی۔ اب انگریزوں کے پاس سوائے مدراس کے علاوہ تمام حامل فاروکے قلع کرناٹک کے علاقے ہاتھ سے ابھی جنگ جاری ہی تھی کہ 6 دسمبر 1772ء کے دن حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔

حیدر علی کے جواں سال بیٹے ٹیپو سلطان نے جنگ بندی نہ کی اور مشن جاری رکھا۔ پڑوسی ریاست حیدر آباد دکن کے مسلم حکمرانوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ٹیپو سلطان نے کچھ عرصہ بعد جنگ بندی کے معاہدے کر کے تمام توجہ انتظام سلطنت کو بہتر بنانے پر توجہ دی۔ فرانسیسیوں کے دریا تو انہیں کہ بحری بیڑے کو مضبوط بنایا۔ ترکی کی عثمانیہ سلطنت اور فرانس میں سفارت کار روانہ کیے۔ لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا.

اسی زمانے میں لارڈ کارنوابیس جنرل بن کر آیا جو اپنے کھوئے وقار کو بحال ہونا چاہتا تھا۔ انگریز جرنیلوں نے اپنے حلیفوں کو پھر تیار کیا۔ غدارِ وطن پھر سر اٹھانے لگے۔ غدار جمع ہوئے۔ منزل میڈوز کو ٹیپو سلطان کے خلاف میں اس روانہ کیا۔ اس بار پھر نظام + موٹے اور انگریز + مسلمان غدار جمع ہو گئے۔ میسور

Prof Mukhtar Ahmed

پر حملہ آور ہوں گے ٹیپو سلطان ایک سال تک مقابلہ کرتا رہا۔ دشمنوں کا بھرپور مقابلہ کرتا رہا۔ دشمن اور غدار ہزاروں طرف تھے۔ ٹیپو سلطان کو سرنگاپٹم کے قلعے میں محسور ہونا پڑا۔ ان برے حالات میں بھی مزید دو سال تک جنگ جاری رکھی۔ لیکن آگے چل کر آدھی سلطنت چھوڑنی پڑی۔ جب ویلزلی گورنر جنرل بن کر آیا تو آتے ہی سلطان کے خلاف ایک بار پھر محاذ بنا لیا۔ نظام حیدر آباد دکن اور مرہٹوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر جنگ شروع کر دی۔ ایک بار پھر چاروں طرف جنگ کا میدان تھا اور سلطان مقابلہ کرتا رہا۔ اندرونی غدار بڑھتے بڑھتے مزید اندر تک آ گئے۔ ٹیپو سلطان کے والد حیدر علی نے میر صادق اور غداروں کی نشان دہی بیماری کے آخری ایام میں کر دی تھی۔ لیکن ٹیپو سلطان نے میر صادق جیسے غدار سے معافی کی درخواست کو اس کی پیشہ ورانہ سپہ گری پر فوقیت دے کر غلطی کر لی تھا۔ آخر کار ہاتھوں اندرونی شکست کا سامنا ہوا وہ سرنگاپٹم کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ غداروں کو قلعے کے کمزور حصے کا پتا تھا۔ انگریز اندر گھس آئے 4 مئی 1799ء فتح علی ٹیپو سلطان اکیلا کر کے شہید کر دیا گیا۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

موبائل فون کے فوائد اور نقصانات (مضمون)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ موبائل فون آج کی ایک اہم ضرورت بن چکا ہے، جس کے بغیر آج کل کی زندگی میں گزارا مشکل ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یہ تفریح اور اوقات بسری کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ اس سے تفریح کا سامان کم خرچ پر مہیا ہو جاتا ہے۔ اگر موبائل فون اور اس میں موجود انٹرنیٹ کا استعمال مفید انداز میں کیا جائے۔ ان پر تعلیمی پروگرام دیکھے جائیں تو یہ مفید ہو سکتے ہیں۔ موبائل رابطے کے ساتھ ساتھ دنیا کے حالات سے باخبر رہنے کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے انسان بروقت اپنوں کے حال چال اور احوال سے مطلع ہو سکتا ہے۔ آج کے جدید سمارٹ فون نے تو انسان کی بہت ساری مشکلات آسان کر دی ہیں۔ سمارٹ فون کی موجودگی میں کلکولیٹر، گھڑی، کیمرے یہاں تک کہ بسا اوقات کمپیوٹر کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج پوری دنیا موبائل نامی اس چھوٹی سی مشین میں سمو گئی ہے۔ اس جدید موبائل ٹیکنالوجی نے دنیا کو بازیچہ اطفال بنا دیا ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اس بات کو ہم سب تسلیم کرتے ہیں کہ موبائل کے صحیح استعمال سے خاطر خواہ فائدے اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن جہاں موبائل فون اور انٹرنیٹ کے کچھ فوائد ہیں۔ وہاں اس کے نقصانات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کے پیسے اور وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔ ناپختہ ذہن کے نوجوان چوری، ڈاکہ، رہزنی اور قتل و غارتگری کے واقعات دیکھنے کے بعد خود بھی اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں نوجوان طبقہ موبائل کا غلط استعمال زیادہ اور صحیح

Prof.Mukhtar Ahmed

استعمال کم کرتا ہے۔ طالب علموں نے کتابوں کے بجائے موبائل کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے ہر وقت موبائل ان کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ ڈرائیونگ کے دوران بھی لوگ موبائل کے استعمال سے گریز نہیں کرتے، جس کی وجہ سے حادثات پیش آتے ہیں۔

خصوصیت کے ساتھ فیس بک اور انٹرنیٹ کا غلط استعمال بھی موبائل کی وجہ سے عام ہو چکا ہے۔ فحش گانے اور فلمیں اس موبائل کی وجہ سے شہر شہر بستی بستی گلی گلی ہر جگہ عام ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے نوجوان نسل کو زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان موبائل اور انٹرنیٹ پر نہ صرف اپنے قیمتی وقت بلکہ پیسہ اور ذہنی صلاحیتوں کو برباد کر رہا ہے۔ شعور کی کمی کی وجہ سے ہمارے ہاں انٹرنیٹ اور موبائل کے ہاتھوں نوجوان نسل تباہ ہو رہی ہے۔ یہ ایک خطرناک صورت حال ہے، جس کا ہمیں بہت جلد سد باب کرنا ہو گا۔ کیونکہ برائی اور بے حیائی اس قدر عام ہوتی جا رہی ہے کہ اس کو اب برائی اور بے حیائی نہیں سمجھا جا رہا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ترجمہ: جب تم میں حیا باقی نہ رہے تو پھر جو چاہو وہ کرو۔"

ہمیں آزادی کی قدر کرنی چاہیے (مضمون)

آزادی (Independence) ایک قوم، ملک یا ریاست کی ایک حالت ہے جس میں اس کے باشندے اور آبادی یا اس کے کچھ حصے، خود حکومت کا استعمال اور زیادہ تر علاقے پر عام طور پر خود مختاری ہو۔ کسی بھی قوم کیلئے آزادی کا دن کسی بڑی نعمت سے کم نہیں ہوتا، مگر آزادی کی حقیقت اور اہمیت کو وہی سمجھ سکتا ہے، جس نے غلامی کی سی زندگی گزاری ہو۔ کیونکہ قید چاہے سونے کے پنجرے میں ہو یا ہیروں سے جڑے قفس میں آزادی کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ آزادی کی قدر وہ ہی جانتا ہے جس نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہو یا، آزادی حاصل کرنے کیلئے اپنے پیاروں کی قربانیاں دی ہوں یا پھر جس کے آباؤ اجداد نے اپنے لہو کا نذرانہ پیش کر کے اس گلشن کی آبیاری کی ہو۔

جن مسلمانان برصغیر نے آزادی کے اصل مقصد و مفہوم کو سمجھا انہوں نے قائداعظم کی آواز پر لبیک کہا اور پھر وہ ملکے تھے یا بو جھل، دامے درمے قدمے سخنے الگ وطن کے حصول کے لیے اغیار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ پاکستان کی تاریخ لہو سے اٹی لاشوں کے انبار، ریگستانوں سے مسافت طے کیے ہوئے آبلہ پا قدموں، بیل گاڑی کی رتھ تھام کر پاکستان پہنچنے والے زخمی ہاتھوں اور مٹی سے گرد آلود تھکے مگر پُر مسرت چہروں پر مشتمل ہے۔

مسلمانان برصغیر کیلئے 14 اگست 1947ء کا دن وہ تاریخ ساز دن تھا جب ان کی مسلسل جدوجہد رنگ لائی اور انہیں انگریزوں سے آزادی ملی۔ آزادی اللہ کی طرف سے دیا گیا ایک انمول تحفہ ہے۔ بابائے قومؒ کی انتھک محنت کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت نصیب ہوئی۔ یہ وہ دن تھا جب شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔ یہ وہ مبارک دن ہے جب ہمارے آباؤ اجداد، ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی قربانیاں رنگ لے آئیں۔ اس دن ہمارے لاکھوں شہیدوں کے لہو کے ایک ایک قطرے نے پاکستان زندہ باد کی صدا بلند کی اور ان لازوال قربانیوں کے نتیجے میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہم خود بک کر بھی خدائے ذوالجلال اور ان قربانیوں کا احسان نہیں چکا سکتے جو ہمارے اجداد نے پاکستان کے لیے دیں۔ ہم پر قرض ہے ان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کا جنھوں نے اپنی عزت و حرمت اس وطن عزیز پر قربان کر دی، قرض ہے ان بزرگ والدین کا جنھوں نے اپنے جواں سالہ بیٹوں کو وطن پر نثار کر دیا، قرض ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے ہجرت کے لیے آگ و خون کے سمندر پار کیے، اپنے گھر بار، مال مویشی اور کاروبار تک کو ہمارے مستقبل پر نچھاور کر دیا، اپنے عزیز و اقارب، رشتہ داروں اور آباؤ اجداد کی قبروں تک کو چھوڑ کر پاکستان چلے آئے۔ بالآخر ان ہی عظیم مسلمانوں کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ تاریخ نے کروٹ لی اور چودہ اگست 1947 کی مبارک ساعت کو قافلہ حق منزل مقصود پر آ پہنچا، ایک نئی اسلامی مملکت کا سورج پوری آب و

تاب سے دنیا پر درخشندہ ستارے کی مانند نمودار ہوا۔ جو بانی پاکستان اور حصولِ مملکت کے لئے جانوں کا نذرانہ دینے والوں کو خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔

مگر آج یہ قوم رنگینیوں میں کھو کر آزادی کی اصل حقیقت سے بے خبر ہے۔ ہم نے تو آزاد ریاست میں جنم لیا ہمارے لئے شاید اس کی اہمیت کا اندازہ لگانا ذرا مشکل ہے۔ یہاں اگر ہم موازنہ مقبوضہ جموں و کشمیر یا فلسطین سے کریں تو ہمیں بآسانیآزادی جیسی نعمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح وہاں کے لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں بلکہ اپنی ہی سرزمین پر آزادی سے سانس نہیں لے سکتے اور کئی سالوں سے نظربند، بھارتی و اسرائیلی جیلوں میں قید ہیں۔ پاکستان عظیم نعمت خداوندی اور جغرافیائی اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ملک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع دن سے ہی یہ خطہ عالمی طاقتوں کی نظر میں ہے۔ پاکستان میں ہر مذہب، فقہ، عقیدے سے تعلق رکھنے والے باشندے آباد اور سب پاکستانیوں کی طرح اقلیتوں کے لئے بھی یہ سرزمین امن کا گہوارہ ہے۔ آزاد مملکت کی بدولت ہماری اور ہماری نسلوں کی پہچان ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس آزادی کی نہ صرف خود قدر کریں بلکہ اپنے بچوں کو بھی اس دن کی مناسبت سے آزادی کا درس دیں تاکہ اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے دی گئی بے پناہ قربانیوں کا حق ادا کیا جاسکے۔

عورتوں کی تعلیم اور اس کی اہمیت (مضمون)

تعلیم نسواں سے مراد عورتوں کی تعلیم ہے علم اور تعلیم دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔ تاریخ مذاہب کے مطالعے سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تخلیق فرما کر جنت میں ٹھہرایا۔ حضرت آدم نے تمام نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود تنہائی و کمی محسوس کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّا کو پیدا فرمایا۔ گویا عورت کا وجودِ کائنات کی تکمیل ہے،

عورت اس کائنات کا جمال و شاہکار اور دلکش وجود ہے۔ وہ گردشِ لیل ونہار کا ایک حسین اور کیف آور نغمہ ہے، جس کے دم سے حیات قائم ہے عورت کے بغیر انسانی نسل کا استحکام اور ونشو نما ناممکن ہے۔ بقائے حیات و معاشرے کا قیام واستحکام، جسمانی وروحانی آسودگی عورت ہی کے باعث ہے۔ عورت ماں کے روپ بے لوث محبت، شفقت و ہم دردی اور ایثار و قربانی کی انمول داستان ہے، عورت انسانیت کی عزت ہے۔ مذہب اسلام نے عورت کو مرد کے برابر مقام و مرتبہ عطا فرما کر اس کی حیثیت متعین کر دی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام نے عورت کو اس کا مرتبہ اور مقام دیا ہے۔ علم ایک لازوال دولت ہے جو تقسیم کرنے سے کم ہونے کی بجائے ہوتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو جہالت کی تاریکی کو مٹاتی ہے۔

مذہب اسلام کو دیگر مذاہب کے مقابلے میں ایک امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ یہ حصول علم پر ہر ممکن زور دیا ہے۔ قرآن حکیم میں تقریباً پانچ سو کے قریب مقامات پر بلاواسطہ یا بالواسطہ حصولِ علم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ پھر یہ مذہب مرد کی طرح عورت کے لیے بھی تعلیم کا حصول لازم قرار دیتا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے ": علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔ نبی کریمؐ کو قرآن حکیم میں اس دعا کی ہدایت فرمائی گیا ہے۔ "میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما"۔ آپؐ نے مردوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام فرمایا ہے آپؐ نے ایک دن عورتوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بھی مخصوص فرما رکھا تھا۔ ازواج مطہرات حضرت محمدؐ سے دین کی باتیں سیکھ کر دیگر مسلمان خواتین کو سکھاتی تھیں۔ یوں دین کی تعلیم عورتوں تک بھی باقاعدہ پہنچتی رہیں۔

بدقسمتی سے اسلامی تعلیمات کی ادھوری تفہیم اور انھی معاشرتی رسوم ورواج میں خلط ملط کرنے کے باعث خواتین کو ماضی میں علوم کے ذرائع کے آزادانہ رسائی کا حق حاصل نہیں رہا جس کی وجہ سے نسل در نسل زیورِ تعلیم سے محروم رہیں۔ اسلام کا درست مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور نئی نسل کی تربیت کا صحیح انداز میں نہ کر سکیں۔

درحقیت تعلیم ہی وزیور ہے جسے عورت اپنے مقام سے آگاہ ہو اپنا اور معاشرے کا مقدر سنوار سکتی ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ کچھ بزرگ تعلیم نسواں کے متعلق بڑی غلط فہمی رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ علم صرف لڑکوں ہی کو دینا ضروری ہے۔ اس طرح کی باتیں ہرگز درست ہیں۔ عورتیں بھی انسان ہیں۔ علم کی روشنی انسان کو جینا سکھاتی ہے۔ تاریخِ اسلام میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ خواتین کی ہمت و جرأت اور فہم و فراست سے ہونے والے بڑے بڑے انقلابات ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

کسی دانا کا قول ہے کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ بچہ جو کچھ اس درس گاہ سے سیکھتا ہے وہ اس کی آئندہ زندگی پر بہت اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کی بہترین تربیت کے لیے ماں کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ مفکرین کی رائے میں: ”مرد کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے، جبکہ عورت کی تعلیم ایک خاندان کی تعلیم ہے۔

فرانس کے مشہور بادشاہ نپولین کا قول ہے:- "آپ مجھے پڑھی لکھی ماں دو"، میں آپ کو بہترین قوم دوں گا۔ علامہ اقبال کے فاری شعر کا مفہوم ہے۔ قوموں کو کیا پیش آچکا ہے کیا پیش آسکتا ہے؟ اور کیا پیش آنے والا ہے یہ سب ماؤں کی جبینوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پڑھی لکھی عورت مذہبی و دینی تعلیمات و مسائل سے اچھی طرح آگاہ ہوتی ہے۔ اپنی اولاد کی تربیت دینی اصولوں کی روشنی میں بہتر انداز میں کر سکتی ہے اور ملک وملّت کی تقدیر سنوارتی سکتی ہے لیکن اک ناخواندہ عورت جو دین و مذہب کع تعلیمات سے ناآشنا اور غیر سلیقہ شعار ہوتی ہے۔ وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض بھی اچھے طریقے سے ادا نہیں کر سکتی۔

Prof.Mukhtar Ahmed

اصنافِ ادب

حمد

حمد کے معنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ہیں۔ اسطلاح میں حمد وہ نظم ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات + عظمت + قدرت + کا بیان ہوتا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے تعریف کی جاتی ہے۔ حمد میں جذبات کی پاکیزگی اور زبان کی شائستگی کا ہے۔ اس کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔

؎ فکر و دانش کی ہے معراج، خدا کا اقرار

یہی وجدان کی آواز ہے فطرت کی پکار
نعت نعت وہ صنفِ نظم ہے۔ جو نعت میں ڈھل کر خوب صورت ہو جاتی ہے۔ نعت نظم کا وہ روپ ہے جو میں رسول پاکؐ کی ذات + صفات + اخلاق کا بیان ہوتا ہے۔ نعت در حقیقت ایک مسلمان کی آنحضورؐ کی ذات اقدس سے والہانہ محبت کے اظہار کی ایک شکل ہے۔ معراج کے موقع پر انبیاء کرام کو حضرت محمدؐ نے اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ اس طرح امام کا رتبہ واضح ہو گیا یہ وہ دلیل ہے ان کا بلند مرتبہ ثابت ہو جاتا ہے۔ ؎ ایک بے نام کو اعزاز نسب مل جائے کاش! مداح پیمبر کا لقب مل جائے
مطلع مطلع کے معنی طلوع ہونے کی جگہ لیکن شاعری کی اصطلاح میں کسی بھی غزل، قصیدے یا نظم وغیرہ کا پہلا شعر ہوتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ اور اگر دوسرا شعر بھی مطلع کی طرز پر ہو (یعنی اس کے بھی دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں) تو اس کو حسنِ مطلع کہا جاتا ہے۔ ؎ نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا
مقطع مقطع کے معنی کاٹنے یا اختتام کرنے کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں غزل یا قصیدے کا آخری شعر مقطع ہوتا ہے۔ اس آخری شعر میں شاعر اپنا نام " تخلص " استعمال کرتا ہے۔ ؎ ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا

Prof.Mukhtar Ahmed

تلمیح

تلمیح کے معنٰی اشارہ کرنے یا نگاہ ڈالنے کے ہیں۔ لیکن شاعری کی اصطلاح میں جب شاعر اپنے اشعار میں قرآن کی آیت + حدیث + مشہور اقوال یا کسی اور فن کی اصطلاح یا کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرے تو اسے تلمیح کہتے ہیں۔

ؔجلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو

غزل

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ غزل کی لغوی معنی ہے "عورتوں سے باتیں کرنا، عورتوں کی باتیں کرنا۔ ہرن کی منہ سے شکاری کی ڈر کی وجہ سے نکلنی والی آوازوں کو بھی غزل کہا جاتا ہے۔ غزل اردو شاعری کی مقبول ترین "صنف" سخن ہے۔ غزل اوزان میں لکھی جاتی ہے اور یہ ہم قافیہ وبحر اور ہم ردیف مصرعوں سے بنے اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے۔ مطلع کے علاوہ غزل کے باقی تمام اشعار کے پہلے مصرع میں قافیہ اور ردیف کی قید نہیں ہوتی ہے، جبکہ مصرع ثانی میں غزل کا ہم آواز قافیہ و ہم ردیف کا استعمال کرنا لازمی ہوتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے، جس کے دونوں مصرے ہم بحر اور ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ غزل کا آخری شعر مقطع کہلاتا ہے، بشرطیکہ اس میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرے ورنہ وہ بھی عام شعر ہی کہلاتا ہے۔

نظم

نظم کے معنی ترتیب کے ہیں۔ تسلسل پر مبنی اشعار کے ایسے مجموعے کو نظم کہتے ہیں۔ جس میں ایک مرکزی خیال ہو۔ نظم شاعری کی ایک ایسی قسم ہے جو کسی ایک عنوان کے تحت کسی ایک موضوع پر لکھی جاتی ہے۔ نظم کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہیئت کی کوئی قید نہیں ہے۔ یہ بحر اور قافیہ سے پابند بھی ہوتی ہے اور ان قیود سے آزاد بھی۔ اس میں مضامین کی وسعت ہوتی ہے۔

رباعی

رباعی عربی کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی چار چار کے ہیں۔ رباعی کی جمع رباعیات ہے۔ شاعرانہ مضمون میں رباعی اس صنف کا نام ہے جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے، پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ لانا ضروری ہے۔

اس میں عام طور پر فلسفیانہ + اخلاقی + اور نصیحت آموز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

قطعہ

شعری اصطلاح میں قطعہ سے مراد وہ صنف شاعری ہے، جس میں ایک مکمل مضمون بیان کیا گیا ہو۔ اس میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قطعہ نگار ہر قسم کے واقعات، حالات، خیالات اور جذبات واحساسات پر اظہار خیال کر سکتا ہے۔ قطعہ میں جس طرح موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی، اس طرح اس میں بحر کی بھی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قطعے کے لیے کم از کم دو اشعار کا ہونا ضروری ہے۔

Prof. Mukhtar Ahmed

مرثیہ

مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر کسی شخص کے دنیا سے چلے جانے پر اپنے جذباتِ غم کا اظہار کرتا ہے۔ مرثیہ عربی لفظ "رثا" سے بنا ہے جس کے معنی مردے کو رونے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے کے ہیں۔ یعنی مرنے والے کو رونا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا مرثیہ کہلاتا ہے۔ مرثیہ کی صنف عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں آئی۔ لیکن اردو اور فارسی میں مرثیہ کی صنف زیادہ تر اہل بیت یا واقعہ کربلا کے لیے مخصوص ہے۔

مثنوی

مثنوی کا لفظ، عربی کے لفظ "مثنیٰ" سے بنا ہے اور مثنیٰ کے معنی دو کے ہیں۔ اصطلاح میں ہیت کے لحاظ سے ایسی صنفِ سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے، لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو اس میں اشعار کی تعداد مقرر نہیں طویل اور مختصر دونوں طرح کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔

مسدّس

مسدّس اس نظم کو کہتے ہیں جس کا ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہوں اس کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ آخری دو مصرعے یعنی پانچویں اور چھٹے مصرعے ان سے علاحدہ نئے قافیوں میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مسدّس کو سب سے پہلے مولانا الطاف حسین حالیؔ نے مشہور کیا "مسدّس حالی" کے چرچے آج تک ہیں۔

مضمون(Essay)

لفظ "Essay" لاطینی لفظ "Exagium" سے لیا گیا ہے، جس کے لغوی معنی کسی مسئلہ کو عام لفظوں میں پیش کرنا ہے۔ اس حوالے سے مضمون نویسی کی تعریف کچھ یوں ہو گی "یہ تحریر کا ایک ایسا چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو کسی موضوع، خیالات یا واقعات پر معلومات کے اظہار کے ساتھ ساتھ ایک لکھنے والے کی رائے بھی بیان کرتا ہے۔ مضمون کی دو اقسام بیان بیان کی جاتی ہیں۔(1) باقاعدہ مضمون-(Personal Essay) (2) بے قاعدہ مضمون(Impersonal Essay)۔

افسانہ

افسانہ(Short Story) سے مراد ایسی مختصر کہانی جو ایک نشست میں پڑھی جا سکے۔ اس میں زندگی کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ اردو زبان میں افسانہ انگریزی ادب سے آیا ہے۔ اردو کے پہلے افسانہ نگار منشی پریم چند ہیں۔ افسانے کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہوتے ہیں۔(1) تمہید (2) پلاٹ(3) اختصار(4) اختتام۔

ڈراما

ڈراما یونانی لفظ "ڈراؤ(Drao) سے نکلا ہے۔ جو عمل + اداکاری یا کچھ کر کے دکھانے میں آتا ہے۔ ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت + تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔ ڈراما ایسی کہانی یا قصہ ہے جو اداکاری کے لیے لکھا جائے یا اداکاری کے ذریعے پیش کیا جائے۔ اردو زبان و ادب میں پہلے ڈراما نویس امانت لکھنوی ہیں۔ "اندر سبھا" اردو کا پہلا ڈراما انھوں نے نواب واجد علی شاہ کے کہنے پر لکھا اور اسٹیج پر پیش کیا۔

Prof.Mukhtar Ahmed

طنزومزاح

مَزاح کے لفظی معنی ہنسی مذاق، جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔ایسی تحریر جو آپ کو ہنسنے پر مجبور کر دیں اور اس تحریر میں تنقید کو مَزاح کا جامہ پہنا دیا جائے لیکن اس کے باوجود قاری ہنسنے پر مجبور ہو جائے طنزومزاح کہلاتی ہیں۔ طنزو مَزاح کی ایک مقبول صنف لطیفہ ہے۔

قافیہ

قافیہ لفظ قفو سے ہے، جس کے معنی پیروی کرنے اور پیچھے آنے والے کے ہیں۔اردو ادب میں قافیہ ایسے الفاظ کو کہا جاتا ہے جو اشعار میں الفاظ کے ساتھ غیر مسلسل طور پر آخر میں بار بار آتے ہیں۔اس لیے ترنم اور تسلسل کو قائم رکھنے کے لیے قافیہ کا استعمال لازم وملزوم تصور کیا جاتا ہے۔قوافی کو عرفِ عام میں ہم قافیہ الفاظ کہا جاتا ہے،اس کی ایک خوبصورت مثال ملاحظہ فرمائیں۔

؎ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

ردیف

ردیف کے معنی گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والے کے ہیں۔شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد قافیہ کے بعد آنے والے وہ الفاظ ہیں جو مکرر آتے ہوں۔ اور یکساں بھی ہوں، مگر ردیف پر مصرعے میں آئے، یہ بھی لازم نہیں ہوتا۔یہ بعض وقت غزل کے مصرعہِ ثانی میں تکرار سے بھی آتا ہے۔اس کی ایک اور تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ قافیہ کے بعد جو الفاظ مسلسل تکرار سے آئیں، ردیف کہلاتے ہیں۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیں؛

؎ نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

حسنِ تکرار

کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں، جن کی تکرار سے کلام میں زور اور حسن پیدا ہو جائے، مثلاً:

؎ توبہ کے ٹوٹنے کا بھی کچھ کچھ ملال تھا
تھم تھم کے سوچ سوچ کے شرما کے پی گیا

محولہ بالا شعر میں "کچھ کچھ"، "تھم تھم "اور "سوچ سوچ" کی تکرار سے کلام کا حسن بڑھ گیا ہے۔

تشبیہ

؎ کیا ہی چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے

ہے ترے حُسن دل افروز کا زیور سہرا

غالب نے اپنے شعر میں مغل شہزادے "مرزا جواں بخت" کی شادی کے موقع پر اس کے چہرے کی خوب صورتی کی تعریف کرتے ہوئے اسے چاند سے ملایا ہے۔ اس طرح ایک چیز کو دوسری چیز جیسا قرار دینے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ کوئی ماں اپنے بیٹے کو چاند کا ٹکڑا کہے تو وہ بھی تشبیہ کہلائے گی۔

مشبہ + مشبہ بہ + تشبیہ

؎ نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

پنکھڑی کوئی گلاب کسی سی ہے۔

استعارہ

ع کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔

استعارہ لفظ" **مستعار** "سے بنا ہے۔ جس کے معنی" **ادھار لینا** "ہے۔ اسی لیے استعارے میں لفظ اپنے لغوی معنی کے بجائے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ البتہ دونوں لفظوں کے مابین کسی خصوصیت کی بنا پر تشبیہ کا تعلق ضرور پایا جاتا ہے۔

تضاد

؎ لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے

اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

اس شعر میں الفاظ حیات اور قضا اور آئے اور چلے استعمال ہوئے ہیں یہ لفظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کلام میں ایسے الفاظ کا لانا جو معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہوں تضاد کہلاتے ہیں۔ متضاد کے معنی برعکس یا الٹ کے ہیں۔

مبالغہ

؎ رونے پہ باندھ لے جو مری چشمِ تر کمر

کیسی زمیں فلک پہ ہو پانی کمر کمر

اس شعر میں اپنی آنکھ کو روتے ہوئے بڑھایا، چڑھایا گیا ہے۔ زمین تو کیا آسمان تک بھی کمر کمر تک پانی بھر جائے گا۔ یعنی آنسوؤں کا سیلاب آئے گا۔

اشعار میں کسی بات کو اپنی اصلی حالت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنا "مبالغہ" کہلاتا ہے۔

Prof.Mukhtar Ahmed

حسنِ تعلیل

؎ پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

اس شعر میں دریائے فرات کی لہروں کے ساحل سے بار بار "سر پٹکنے" یا سر مارنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ عالی مقام حضرت امام حسینؓ کا لشکر تین رات سے پیاسا تھا۔ دریائے فرات کو اس بات کا شدید صدمہ تھا کہ میں اس مقدس لشکر کی کوئی مدد نہیں کر پایا۔ اس غم اور افسوس کی وجہ سے دریائے فرات کی لہریں کنارے پر سر مار رہی تھیں۔ حالانکہ دریا کے پانی کی لہریں ہوا سے اٹھتی ہیں۔ ساحل پر آکر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر شاعر نے اس عمل کو افسوس + صدمہ قرار دیا ہے۔ شعر میں کسی بات کی ایسی وجہ بیان کرنا جو اصلی نہ ہو مگر حسنِ بیان کے سبب حقیقی معلوم ہو "صنعتِ تعلیل" کہلاتا ہے۔

واوین۔(" ")

واوین وہ علامت ہے جو کسی تحریر کا اقتباس پیش کرتے وقت یا کس کا قول پیش کرتے وقت لگائی جاتی ہے۔ مثلا۔ "اپنا خیال رکھنا جلد ملاقات ہوگی" فاروق نے کہا۔ کسی کتاب، باب، کہانی مضمون وغیرہ کا نام لکھتے ہوئے یا کسی لفظ کو واضح کرنے کے لیے بھی واوین کا استعمال ہوتا ہے۔
مثلاً: "کتاب شاہ عبد اللطیف آف بھٹائی" ڈاکٹر سورلے نے تحریر کی۔ "سر سید احمد خان"۔ یا "ٹیپو سلطان"۔

Prof.Mukhtar Ahm...